نصرۃ

میگزین

بجٹ ۲۰۲۰ کا مخمصہ

امریکا کے لبرل ورلڈ آرڈر پر
کورونا وائرس کی وباء سے پیدا ہونے والے بحران کے اثرات

کیا دنیا میں آنے والی مصیبتیں گناہوں
کی سزائیں ہوتی ہیں؟

پاکستان میں پولیس کا ادارہ اور اِس کا ظالمانہ تشخّص اِسکا ماضی، حال
اور خلافت کے زیرِ سایہ مستقبل

تیل کا بحران اور اس کی محرکات

نصرة
میگزین / شمارہ 55
جولائی / اگست 2020 بمطابق ذوالقعدۃ / ذوالحجۃ 1441 ہجری

مضمون پر براہ راست جانے کے لئے فہرست کے لنک پر براہ کرم کلک کریں

اس شمارے میں

انسانیت سرمایہ داریت کا بوجھ مزید برداشت نہیں۔۔۔	اداریہ	4
تفسیر سورۃ البقرۃ 203	شیخ عطاء بن خلیل ابوالرَشتہ	6
مصعب عمیر کی نوید بٹ کے متعلق گواہی	مصعب عمیر	11
امریکا کے لبرل ورلڈ آرڈر پر کورونا وائرس۔۔۔	عبدالمجید بھٹی	19
اسلام فکر اور طریقہ ہے	بلال المہاجر	29
بجٹ 2020 کا مخمصہ	خالد صلاح الدین	38

ورلڈ آرڈر کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر	معیز مبین	51
کیا دنیا میں آنے والی مصیبتیں گناہوں کی سزائیں ہوتی؟	الوعی میگزین	73
عاصم بن صامتؓ	الوعی میگزین	91
پاکستان میں پولیس کا ادارہ اور اِس کا ظالمانہ تشخّص۔۔۔	عمر شریف	97
آخرت کے شہید کون ہیں؟۔۔۔	سوال وجواب	122
بیٹی کی شادی اس کی مرضی کے خلاف۔۔۔	سوال وجواب	128
تیل کا بحران اور اس کی محرکات	سوال وجواب	132
اِس کرپٹ نظام کو اکھاڑ پھینکو۔۔۔	میڈیا آفس ولایہ پاکستان	148

انسانیت سرمایہ داریت کا بوجھ مزید برداشت نہیں کرسکتی، اس بوجھ سے نجات کے لیے اسلام کا نفاذ لازمی ہے

عالمی سطح کے ساتھ ساتھ مقامی سطح پر پاکستان میں بھی یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ سرمایہ داریت شدید بحران کا شکار ہے۔ کورونا وائرس کی وباء پھوٹ پڑنے سے پہلے سے عالمی معیشت سستی روی کا شکار ہوچکی تھی۔ دنیا بھر میں ہنگامی طبی صورتحال نے نا صرف معاشی بحران میں اضافہ کیا ہے بلکہ پہلے سے جاری معاشی سست روی پر پردہ بھی ڈالا ہے۔

لیکن بنیادی طور پر مغربی سرمایہ دارانہ اشرافیہ کے ہاتھوں میں دولت کا ارتکاز اب نا صرف مغربی عوام بلکہ پوری دنیا کے لیے ناقابل برداشت ہوچکا ہے۔ اس بحران کے دوران بھی امریکا کے ارب پتیوں کی دولت میں کئی سو ارب ڈالر کا اضافہ ہوا۔ کھربوں ڈالر کے بیل آوٹ پیکجز کا زیادہ تر فائدہ بھی مخصوص سرمایہ دار اشرافیہ نے ہی اٹھایا ہے۔ یہ سب کچھ ایک ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب دنیا کے ممالک سرکاری اخراجات کم کر رہے ہیں، ٹیکسوں کے بوجھ میں کمر توڑ اضافہ ہو رہا ہے، قرض بڑھ رہا ہے، بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے اور غربت کے سائے ہر جانب پھیلتے جا رہے ہیں۔ مقامی سطح پر، جہاں معیشت کا بہت زیادہ انحصار برآمدات، ترسیلات زر(remittances) اور مہنگی درآمدات پر ہے، پاکستان نے عالمی معیشت میں سست روی کی وجہ سے نقصان اٹھایا ہے۔ جہاں تک وباء کے پھوٹ پڑنے کی بات ہے تو مکمل لاک ڈاون کی پالیسی نے معیشت کی سست روی کو بدترین مقام پر پہنچا دیا جس کی وجہ سے کئی کاروبار تباہ ہوگئے، آمدنی کم ہوگئی اور بے روزگاری میں زبردست اضافہ ہوا۔

لیکن مغربی سرمایہ دار اشرافیہ اور ان کے مقامی شراکت داروں کے ہاتھوں میں منظم طریقے سے دولت کے ارتکاز کا سلسلہ جاری ہے۔ دولت کے اس ارتکاز کی سب سے اہم وجہ پاکستان کے بڑھتے ہوئے قرضوں پر سود کی ادائیگی ہے۔ اس وقت سود کی ادائیگی 3000 ارب روپے ہو چکی ہے جبکہ سالانہ وفاقی بجٹ 7000 ارب روپے ہے۔ پچھلے سال شرح سود میں اس قدر اضافہ کر دیا گیا جو کہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ تھا۔ بلند شرح سود کا فائدہ پاکستان کے قرضوں میں سرمایہ کاری کرنے والے بین الاقوامی اور مقامی سرمایہ داروں کو پہنچا۔ اس سال ان سرمایہ داروں کو سپورٹ کرنے کے لیے قرض کو اسٹاک مارکیٹ میں خرید و فروخت کے لیے پیش کیا گیا۔ اس قدر بھاری سود کی ادائیگیوں کو یقینی بنانے کے لیے اس سال ٹیکس آمدن کا ہدف 5000 ارب روپے رکھا گیا ہے جو کہ پچھلے سال سے 1000 ارب روپے زیادہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آئی ایم ایف یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ 25-2024 تک ٹیکس آمدن 10000 ارب روپے ہو جانی چاہیے۔

عالمی اور مقامی سطح پر سرمایہ داریت کا تسلسل اب ناقابل برداشت ہو چکا ہے۔ جس معاشی نظام کو دنیا کے لیے ایک شاندار نمونے کے طور پر پیش کیا جاتا تھا آج وہ دنیا کے لیے ایک خوفناک خواب بنتا جا رہا ہے۔ اسلام کا منفرد معاشی نظام دولت کے ارتکاز پر نہیں بلکہ دولت کی تقسیم کو یقینی بنانے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ اب اسلام سے بطور ایک متبادل نظام کے منہ نہیں موڑا جا سکتا۔ اسلام کے تحت دولت کے ارتکاز کو یقینی بنانے والی پالیسیز، جیسا کہ سود پر مبنی سرمایہ کاری، توانائی اور معدنی وسائل کی نجکاری اور اسٹاک پر مبنی کمپنی ڈھانچے، کا خاتمہ دنیا کو سکون فراہم کرے گا جو سرمایہ داریت کے بوجھ تلے دبی چلی جا رہی ہے۔

ختم شد

تفسیر سورۃ البقرۃ : آیت 203

فقیہ اور مدبر سیاست دان، امیر حزب التحریر، شیخ عطا بن خلیل ابو الرَشتہ کی کتاب **تیسیر فی اصول التفسیر** سے اقتباس:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَاذۡكُرُوۡا اللّٰهَ فِىۡٓ اَيَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍؕ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِۙ لِمَنِ اتَّقٰىؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّكُمۡ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ﴾(203)

"گنے چنے دنوں میں اللہ کا ذکر کرو جو دو دن پہل کرے اس پر کوئی گناہ نہیں جو دو دن تاخیر کرے اس پر کوئی گناہ نہیں یہ اس کے لیے ہے جو تقوی اختیار کرے اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ تم اس کے پاس لوٹائے جاؤ گے"

اللہ سبحانہ وتعالی ان آیات میں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ:

1)یوم نحر (قربانی کے دن)اور ایامِ تشریق میں نمازوں کے بعد، اسی طرح ذبح کے وقت اور کنکریاں مارتے وقت، اللہ کی تکبیر کہو۔

جہاں تک ایامِ تشریق کا تعلق ہے تو "ایام معدودات" (گنے چنے دن) کے ذریعے ان کی طرف اشارا کیا گیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے، وہ اس لیے کہ انہی دنوں کے ذکر کے بعد اللہ

نے فرمایا: فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡه"جو دو دن میں پہل کرے اس پر کوئی گناہ نہیں جو دو دن تاخیر کرے اس پر کوئی گناہ نہیں"۔ رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو "منیٰ کے تین دن "کا نام دیا جو یوم نحر (قربانی کے دن) کے علاوہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حج عرفہ ہے جو جمع ہونے کے دن، رات کو طلوعِ فجر سے پہلے آئے تو اس نے منیٰ کے تین دن کو پالیا، جو جلد بازی کرے اور دو دن میں ہی چلا جائے تو کوئی گناہ نہیں جو دو دن سے زیادہ تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں"۔ جمع ہونے کی رات مزدلفہ کی رات ہے (جہاں حجاج وقوفِ عرفات کے بعد پہنچتے ہیں)۔ جو طلوعِ فجر یعنی عید کا دن (یوم النحر) طلوع ہونے سے قبل مزدلفہ کی رات کو پالے تو اس نے منٰی کے تین دنوں کو پالیا، اس کا یہ مطلب ہے کہ عید کے دن کے بعد دو دن (جو منیٰ میں قیام کے دن ہیں) کیونکہ جو حج میں تاخیر سے پہنچے مگر جمع ہونے (مزدلفہ) کی رات طلوع فجر سے پہلے وقوف عرفہ کو پالے وہ عید کے دن کو نہیں پائے گا کیونکہ دن غروب آفتاب کے بعد رات کو ہی شروع ہوتا ہے اور یہ اس سے فوت ہو گیا، وہ رات کو عرفہ میں تھا، البتہ وہ ایام تشریق کو پالے گا جو کہ منٰی کے تین دن ہیں جس میں عید کا دن شامل نہیں، حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا اس آیت کے بارے میں یہ فرمانے کا مطلب کہ "جو دو دن میں پہل کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو دو دن سے زیادہ تاخیر کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حدیث میں منیٰ کے جن تین دنوں کا ذکر ہے وہ یہی دن ہیں جن کو آیت میں "آیام معدودات "یعنی گنے ہوئے دن کہا گیا ہے۔ اسی لیے وَاذۡکُرُوۡا اللّٰهَ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰت "گنے ہوئے دنوں میں اللہ کا ذکر کرو "کا مطلب ایامِ

تشریق میں فرض نمازوں کے بعد اللہ کی تکبیر کرو ہے۔ اسی طرح آیت وَيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِيۡۤ اَيَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَام(الحج 28)اور وہ معلوم دنوں میں اللہ کا ذکر کریں کہ جس نے ان کو جانوروں میں سے رزق دیا ہے" قربانی کے دن اللہ کا ذکر کرنے پر دلالت کرتی ہے جو کہ عید کا دن ہے اسی طرح ایام تشریق کے پہلے اور دوسرے دن پر بھی جیسا کہ عمر اور علی رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ اور یہی حنفی، مالکی اور حنبلی مسلک ہے۔

نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ دونوں سابقہ آیتوں میں گنے ہوئے دن اور معلوم دن سے مراد چار دن ہیں: قربانی کا دن جو کہ معلوم ہے مگر گنا ہوا نہیں جبکہ اس کے بعد کے دو دن معلوم اور گنے ہوئے ہیں اسی طرح چوتھا دن گنا ہوا ہے مگر معلوم نہیں کیونکہ اس دن قربانی درست نہیں۔

جہاں تک کنکریاں مارتے وقت تکبیروں کا تعلق ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع وارد ہے کہ " آپ ﷺ کنکری پھینکتے اور فرماتے: بسم اللہ اللہ اکبر"۔

اسی طرح قربانی کے وقت اللہ کا نام لیتے اور تکبیر کہتے جیسا کہ اس آیت میں ہے :

لَنۡ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى مِنۡكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمۡ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰٮكُمۡ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُحۡسِنِيۡنَ)الحج/ آیۃ37.

"اس قربانی کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں ملتا بلکہ اللہ کو تقویٰ پہنچتا ہے، اسی طرح اس کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور احسان کرنے والوں کو خوشخبری سناو" یہی قربانی کی حدیث میں ہے۔

2) فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ

یہ آیت دو امور کو نافذ کرتی ہے:

ا- اللہ تعالی نے اس بات کو مباح قرار دیا کہ انسان ایامِ تشریق کے دوسرے دن کنکریاں مارنے کے بعد اپنے حج کو مکمل کر کے اپنے گھر لوٹے، وہ قربانی کے دن طلوع آفتاب کے بعد جمرہ عقبۃ اولیٰ کو کنکریاں مارتا ہے پھر ایامِ تشریق کے پہلے دن زوال کے بعد تینوں جمرات کو کنکریاں مارتا ہے پھر ایامِ تشریق کے دوسرے دن زوال کے بعد تینوں جمرات کو کنکریاں مارتا ہے جس کے بعد اپنا حج مکمل کر کے جلدی کرتے ہوئے اپنے گھر لوٹنا اس کے لیے مباح ہے اسی طرح رک کر ایام تشریق کے تیسرے دن بھی کنکریاں مار کر طواف وداع سے اپنا حج مکمل کر کے پھر گھر روانہ ہونا بھی مباح ہے۔ آیت میں جو کچھ ہے وہ جلدی حاجی کو جلدی یا تاخیر کا اختیار دینے پر دلالت کرتا ہے، یہ نہیں کہا جاسکتا ہے دونوں میں سے ایک کا اختیار کیسے یہ دونوں مساوی نہیں بلکہ تاخیر تو افضل ہے؟ جی ہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اختیار جس طرح مساوی چیزوں کے درمیان ہوتا ہے اسی طرح متفاضل چیزوں میں بھی ہوتا ہے بلکہ زیادہ بہتر میں بھی جیسا کہ مسافر کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے دونوں باتوں کا اختیار ہے حالانکہ قادر کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے "اور تم روزہ رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہے"(البقرہ184)

ب-یہ آیت حج کے اختتام کے حوالے سے ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ایام تشریق کے دوسرے دن کنکریاں مارنے کے بعد اپنا حج مکمل کر کے گھر روانہ ہو جائے یا پھر ایام تشریق کے تیسرے دن کنکریاں مارنے کے بعد گھر روانہ ہو جائے دونوں درست ہیں اس پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ متقی ہے یعنی اس کے گناہ معاف ہیں اس پر کوئی گناہ نہیں عمومی گناہ کی ہی نفی کی گئی ہے، مگر اللہ

کا یہ وعدہ "متقیوں" کے لیے ہے یعنی ان کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی حاجیوں میں سے جو بھی متقی شخص ہو اس طرح اپنا حج مکمل کر کے گناہوں سے پاک ہو کر اپنے گھر لوٹے گا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے اس گھر کا حج کیا، اس دوران اپنی عورت کے قریب نہیں گیا، کوئی گناہ کا کام نہیں کیا تو اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہوا جیسا کہ اپنی ماں سے پیدا ہونے کے دن تھا" اللہ کا یہ فرمانا کہ "اس پر کوئی گناہ نہیں" عام نفی اور مطلق براءت ہے چاہے جو جلدی جائے یا تاخیر کرے مگر متقین میں سے ہو یعنی اپنے حج کو اللہ سے ڈرتے ہوئے اللہ کے احکام کے مطابق ادا کیا ہو تو اس کے سارے گناہ معاف ہیں علی بن ابی طالب، ابن مسعود اور ابنِ عباس رضی اللہ عنھم کا یہی موقف ہے۔یہی وجہ ہے کہ تقویٰ پہل اور تاخیر کی شرط نہیں بلکہ یہ حاجی کے گناہوں کو بخش کر واپس لوٹنے کی شرط ہے جس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہے گا چاہے وہ جلدی جائے یا تاخیر سے۔

3) وَاتَّقُوۡا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّكُمۡ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ "اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اسی کے پاس جمع کیے جاؤ گے"

یعنی حاجیوں کو چاہیے کہ اپنے گھر لوٹنے کے بعد بھی تقوٰی کا دامن نہ چھوڑیں اللہ سے ڈرتے رہیں اور ہمیشہ یہ یاد رکھیں کہ انہوں نے مرنا ہے اور پھر اٹھائے جائیں گے اور ان سے حساب لیا جائے گا یہی چیز یعنی اللہ کے غضب اور سزا سے ڈرنا ان کو گناہوں سے روکے گی اور جنت کے حصول کی کوشش پر ابھارے گی اور ان کو حج میں ملنے والی مغفرت اور معافی کی حفاظت کرنے پر ابھارے گی۔

ختم شد

مصعب عمیر کی نوید بٹ کے متعلق گواہی

تحریر: مصعب عمیر، پاکستان

ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے کسی کی تعریف نہیں کرتے کہ صرف وہی ذات باری تعالیٰ ہمارے دلوں کے حال اور ہمارے جذبات و احساسات سے واقف ہے۔ میں نے نوید بٹ میں جو خیر و بھلائی دیکھی، میں اسے بیان کرتے ہوئے اللہ کو گواہ بناتا ہوں تاکہ لوگ ان کے حق میں دعا کریں اور ان کی رہائی کے لیے کوشش کریں۔ میری نوید بٹ سے پہلی ملاقات 1999ء کی سردیوں میں ہوئی اور میری ان سے آخری گفتگو 9 مئی 2012ء کو ہوئی جس کے ٹھیک دو دن بعد 11 مئی 2012ء کو انہیں پاکستان کی ایجنسیوں نے اغوا کرلیا۔ عزیز اور محترم نوید بٹ کے حوالے سے میرے پاس بہت سی یادیں ہیں اور میں جب ان کے لیے دعا کرتا ہوں تو وہ یادیں میری آنکھوں کو نم کردیتی ہیں۔ میں ان میں سے کچھ یادیں گوش گزار کرتا ہوں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان یادوں کا ذکر فائدہ مند اور نتیجہ خیز ہو۔

نوید کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے زبردست حاضر دماغی اور شاندار شخصیت سے نوازا ہے۔ میری ان سے پہلی ملاقات 1999 کی سردیوں میں اسلام آباد میں ان کے گھر پر ہوئی تھی۔ لمبا قد، خوش شکل، کِھلا ہوا چہرہ اور ذہانت کی غمازی کرتی چمکدار آنکھیں۔ ان کا گھر دعوتی سرگرمیوں کے مرکز کا ایسا منظر پیش کررہا تھا جس سے یہ واضح تھا کہ وہ اللہ کی نازل کردہ وحی کی بنیاد پر حکمرانی کی بحالی کے لیے کس قدر سرگرم ہیں۔ ان کی صحبت میں بیٹھنا روح کو توانا کردیتا اور تھکن کو اتار دیتا۔ سمارٹ فون کے دور سے قبل ان کے پاس ایک فائل ہوتی تھی جو کہ متوقع ملاقاتوں کی فہرست اور

منصوبہ بندی سے بھری ہوتی تھی، وہ دن رات اسلام کی سربلندی کی کوشش میں جتے رہتے تھے۔

میں نوید بٹ کے غربت کے دور کا بھی گواہ ہوں، جس کا سامنا انہوں نے کچھ عرصے تک کیا اور اس دوران انہوں نے صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ نوید دوسروں کی مالی مدد کیا کرتے تھے حالانکہ خود انہیں بھی پیسوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ ان کا نرم دل کسی مسلمان کو مشکل میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ کاروبار میں فراخ دل تھے اور دوسروں کے لیے اپنا حق چھوڑ دیتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ وہ اسلام کا علم حاصل کرنے کے لیے کس قدر پرجوش تھے اور عبادت میں نافلہ عبادتوں کا کس قدر اہتمام کیا کرتے تھے۔ اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے مال ومتاع اور دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے کتنے سنہری مواقع اللہ کے دین کی خدمت کیلئے قربان کر دیے، جب وہ امریکا سے واپس پاکستان آئے۔ انہیں دیکھ کر مجھے حضرت مصعب بن عمیرؓ یاد آجاتے ہیں، جو اسلام قبول کرنے سے قبل ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی گزارتے تھے مگر قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے اپنی نگاہیں صرف اور صرف آخرت پر جمالی تھیں، اگرچہ دنیا کا مال ومتاع چاروں طرف ان کی دسترس میں تھا۔

اپنے اغوا سے کئی سال پہلے سے ہی، جب سے وہ ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان بنے تھے، نوید بٹ کو مسلسل اغوا اور حراست کا خطرہ لاحق رہتا تھا اور کئی بار یہ خطرہ بہت شدید ہو جاتا۔ لیکن انہیں دیکھنے سے اس بات کا قطعی احساس نہیں ہوتا تھا کہ یہ شخص مسلسل خطرے کی زد میں ہے کیونکہ ان کے چہرے پر کبھی بھی خوف کا تاثر نظر نہ آتا اور نہ ہی ان کے کام میں کوئی کمی آتی۔ یقیناً اس دعوت کے کام میں کچھ لوگ پچھلی صفوں میں ہیں اور کچھ لوگ اگلی صفوں میں ہیں اور پھر نوید بٹ جیسے بھی ہیں جو دعوت کی اُفق پر ستاروں کی مانند چمکتے ہیں اور

دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں اور ان کے لیے رستہ واضح کرتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ جب نوید نے 2001ء کی سردیوں میں بش کی صلیبی جنگ میں مشرف کی حمایت کے خلاف ایک مظاہرے کی قیادت کرنی تھی۔ پولیس کا ایک بڑا دستہ انہیں گرفتار کرنے کے لیے جمع ہو گیا اور ان کے میڈیا آفس کو گھیر لیا گیا، نوید بٹ بلا خوف و خطر آگے بڑھے اور حکومتی سختی کا سامنا کیا، یہ ان کی گرفتاری کی کوششوں کے سلسلے کی پہلی گرفتاری تھی۔

گرفتاری کے دوران نوید بٹ خلافت کے قیام کے کام میں رکاوٹیں ڈالنے پر حکام کا خوب محاسبہ کرتے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا خیال رکھتے کہ ان کے باقی ساتھی ظالموں سے محفوظ رہیں پس وہ حکام کو اپنی ساتھیوں کے متعلق کسی بھی قسم کی معلومات دینے سے صاف انکار کر دیتے۔ ان کی کوشش ہوتی کہ حکام کی توجہ انہی پر مرکوز رہے تا کہ حکام دوسرے شباب کو غیر اہم سمجھیں اور آج جو بہت سے شباب آزاد فضاء میں سانس لے رہے ہیں، ان کی گردن پر نوید کا احسان موجود ہے۔ ایک بار حزب کے ایک اور بہادر شاب اُس تفتیشی افسر کے سامنے پیش ہوئے کہ جو اس سے قبل نوید سے تفتیش کر رہا تھا۔ وہ جب داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ تفتیشی آفیسر نے فرسٹریٹشن اور پریشان حالی کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام رکھا ہے۔ اس آفیسر نے اس شاب کی جانب دیکھا اور پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اس شب نے مضبوط لہجے کے ساتھ اپنا نام بتایا اور کہا "میں حزب التحریر سے ہوں"، یہ سنتے ہی اس تفتیشی آفیسر نے ایک بار پھر اپنے سر کو اپنے ہاتھوں میں دے دیا!

خطرے کی صورت میں نوید بٹ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حفاظت حاصل کرنے کے لیے یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے، وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ

فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ "اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنادی اور ان کے پیچھے بھی۔ پھر ان پر پردہ ڈال دیا تو یہ دیکھ نہیں سکتے"(سورۃ یٰس:9)۔ ایک بار انہوں نے 29 اکتوبر 2004ء کے مظاہروں میں گرفتار ہونے والے شباب کے حوالے سے ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا۔ یہ مظاہرے مشرف کے اس منصوبے کے خلاف کیے گئے تھے جس کے تحت وہ ہماری افواج کو عراق بھیجنا چاہتا تھا تاکہ عراق پر امریکہ کے قبضے کو مستحکم کیا جاسکے۔ نوید کو گرفتار کرنے کے لیے تین مختلف پولیس سٹیشنوں سے پولیس کو بھیجا گیا۔ ایک جرأت مند اور بہادر شاب نے نوید کو بچانے کی کوشش کی اور انہیں عمارت سے نکالنے کے لیے اپنی گاڑی عمارت کی بیسمنٹ میں لے گیا۔ نوید عمارت کی بیسمنٹ میں جانے کیلئے لِفٹ میں داخل ہوئے تو اس میں پولیس موجود تھی جو انہیں تلاش کرتی ہوئی لفٹ کے ذریعے اوپر آرہی تھی۔ نوید نے سورۃ یٰس کی اسی آیت 9 نمبر کی تلاوت شروع کردی اور پولیس نے اس پر غور ہی نہیں کیا کہ لفٹ میں ان کے ساتھ موجود شخص کون ہے ۔یوں وہ گاڑی میں داخل ہوئے اور وہ شاب انہیں گاڑی میں لے کر عمارت سے نکل گیا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر پولیس نے انہیں پکڑ لیا اور ان سے ان کے گھر کا پتہ جاننے کی کوشش کرنے لگے جو نوید انہیں بتانے پر تیار نہیں تھے۔ آخر کار پولیس نے انہیں گاڑی میں بٹھایا اور شہر میں گھمانے پھرانے کے بعد چھوڑ دیا لیکن ان کے پیچھے تعاقب کے لیے ایک اہلکار کو لگا دیا تاکہ وہ ان کا پیچھا کرتے ہوئے ان کے گھر تک پہنچ جائے۔ نوید موقع ملتے ہی پیچھا کرنے والے کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ انہوں نے نہر میں چھلانگ لگادی جو اس وقت خشک تھی۔ پولیس اہلکار نے ان کا پیچھا کیا۔ نوید بھاگتے ہوئے گر گئے اور ایک جھاڑی کے نیچے دبک گئے۔ اس جھاڑی کے پتے تک جھڑ چکے تھے اور صرف خشک ٹہنیاں ہی تھیں جو دن کی روشنی میں انہیں کچھ آڑ

فراہم کررہی تھیں۔ ایک بار پھر نوید نے سورۃ یٰس کی آیت نمبر 9 کی تلاوت کرنا شروع کردی۔ جو اہلکار ان کا پیچھا کررہا تھا وہ وہاں تک پہنچ گیا اور اس نے جھاڑی کی طرف جھانک کر بھی دیکھا لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے وہ نوید کو دیکھ نہیں سکا اور بالآخر مایوس ہو کر اس نے نوید کا پیچھا کرنا چھوڑ دیا۔

پھر 9 مئی 2012 کو میری ان سے آخری بات چیت ہوئی۔ یہ بات واضح تھی کہ جابروں نے ان پر توجہ مرکوز کردی ہے اور انہیں پکڑنے کے لیے وہ ہر جگہ انہیں تلاش کررہے ہیں۔ میں ان کے حوالے سے پریشان تھا کیونکہ کچھ ہی عرصہ قبل وہ ٹائیفائیڈ کے بخار سے صحت یاب ہوئے تھے اور ان میں کمزوری کے آثار اب بھی موجود تھے۔ لہذا میں نے انہیں کچھ دنوں کے لیے ان جگہوں پر جانے سے منع کیا جہاں وہ عموماً جاتے رہتے تھے۔ مجھے آج بھی ان کا وہ پرسکون ردِ عمل یاد ہے، انہوں نے پوری استقامت سے مجھے اطمینان دِلاتے ہوئے کہا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کا حامی وناصر ہے۔ یقیناً آج بھی اُن کے اِن الفاظ سے مجھے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث یاد آتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے تقویٰ کے مطابق ہم پر آزمائشیں ڈالتا ہے۔ جو جتنا متقی ہوتا ہے وہ اتنی ہی بڑی آزمائش اور امتحان سے گزرتا ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت گزاری کی راہ میں آنے والی ہر مشکل کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

نوید بٹ کے اغوا کے بعد جب متعدد ذرائع سے ان کی رہائی کی کوشش کی گئی تو یہ بات بار بار سامنے آئی کہ نوید بٹ نے کمزوری نہیں دکھائی بلکہ مضبوطی سے اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ ایک سرکاری اہلکار نے شکایت کی کہ انہوں نے ہمیں کسی بھی قسم کی کوئی معلومات نہیں دیں۔ ان کے اغوا کے کچھ سال بعد ایک اور سرکاری اہلکار نے اس بات کی تصدیق کی کہ ایجنسیاں انہیں

چھوڑنے کے لیے کوئی بہانہ تلاش کرتی رہی ہیں، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ نوید اپنے اُس موقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہیں جو انہوں نے پہلے دن اختیار کیا تھا۔ نوید نے یہ مضبوط موقف اپنایا اگرچہ ایک سرکاری اہلکار نے یہ تصدیق کی کہ انہیں شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے اور تکبر سے انہیں یہ کہا گیا کہ وہ یہاں "مہمان" بن کر نہیں آئے ہوئے۔ اور یہ خبر بھی ملی کہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لے جایا گیا جہاں انہیں ذہنی تشدد سے دوچار کرنے والی متحرک اشکال دکھائی گئیں، جن کی وجہ سے وہ چکرا کر زمین پر گر گئے اور ان کا سر زخمی ہو گیا۔ یہاں پر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! نوید پر ظلم کرنے والوں سے اپنا انتقام لے کیونکہ تو نے ارشاد فرمایا ہے:، إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ "جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دین کی وجہ سے تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی ان کیلئے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کیلئے جلائے جانے کا عذاب ہے" (البروج:10)۔

دوسروں کی طرح، آٹھ سال گزر جانے کے بعد مجھے بھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ شاید جابروں نے نوید کو کسی موقع پر شہید ہی نہ کر دیا ہو۔ لیکن پھر میں خود کو یہ یاد دہانی کراتا ہوں کہ اگر ایسا ہوا بھی ہو تو یہ نوید اور اس کے خاندان کے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں۔ کیونکہ یقیناً یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو اس کے گھر والوں کے ساتھ ملائے گا، صرف اس دنیا کی مختصر سی زندگی کے لیے نہیں بلکہ آخرت کی اُس ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کے لیے کہ جس کے بعد کوئی جدائی نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، جَنَّتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ ءَابَائِهِمْ وَأَزْوَجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالمَلَئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ "(یعنی) ہمیشہ رہنے کے

باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیکوکار ہوں گے وہ بھی (بہشت میں جائیں گے) اور فرشتے (جنت کے) ہر ایک دروازے سے ان کے پاس آئیں گے "(الرعد:23)۔ اگر یہی معاملہ ہے تو میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ نوید بٹ کو شہداء کے ساتھ اٹھائے کہ انہوں نے ہمیشہ کلمۂ حق بولا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَرَجُلٌ قَامَ إِلَى إِمَامٍ جَائِرٍ فَأَمَرَهُ وَنَهَاهُ، فَقَتَلَهُ "شہداء کے سردار حمزہؓ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص جو جابر حکمران کے سامنے کھڑا ہوا، اسے اچھا عمل کرنے اور برے عمل سے باز رہنے کو کہا، اور حکمران نے اسے قتل کر دیا"(الحاکم)۔ اور اگر یہی معاملہ ہے، تو جو محبت ہم نوید بٹ کے ساتھ کرتے ہیں اس کے عوض اللہ جنت کے اعلیٰ درجوں میں ہمیں ان کے ساتھ اکٹھا کر دے، بزار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مَنْ أَحَبَّ رَجُلا لِلَّهِ ، فَقَالَ إِنِّي أُحِبُّكَ لِلَّهِ ، فَدَخَلا الْجَنَّةَ ، فَكَانَ الَّذِي أَحَبَّ أَرْفَعُ مَنْزِلَةً مِنَ الآخَرِ ، الْحَقُّ بِالَّذِي أَحَبَّ لِلَّهِ "جس نے اپنے کسی دینی بھائی سے اللہ کی رضا کے لیے محبت کی اور کہا کہ میں تم سے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرتا ہوں اور ان دونوں کا ٹھکانہ جنت ہوا، تو اگر وہ شخص جس سے محبت کی گئی دوسرے کے مقابلے میں جنت میں اونچے درجے پر ہو گا، تو محبت کرنے والے کو بھی اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا"۔

تاہم میرا دل یہ کہتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مقررہ وقت تک کے لیے نوید کو الگ کر رکھا ہے کیونکہ جابر اپنا کوئی بھی عمل کرتے ہیں تو ان کا عمل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے منصوبے کو ہی پورا کرتا ہے۔ جابر سمجھتے ہیں کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں لیکن ان کا غرور انہیں اندھا کر دیتا ہے اور وہ بھول جاتے ہیں کہ القاہر، الجابر اور القوی (سبحانہ وتعالیٰ) ہی تمام طاقت اور قدرت کا

مالک ہے۔ میں انتظار میں ہوں کہ نوید رہا ہوں اور میں انہیں اپنے سینے سے لگاؤں۔ میں اس دن کے لیے دعا گو ہوں کہ میں اور نوید ایک ساتھ کھڑے ہوں اور ایک خلیفۂ راشد کو اسلام کی حکمرانی پر بیعت دینے کے لیے اپنے ہاتھ بڑھائیں ۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے کوئی کام مشکل نہیں۔

یقیناً پاکستان کے مسلمانوں میں خیر ہے اور اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ ان میں نوید بٹ جیسے بہادر بیٹے پیدا ہو رہے ہیں۔ ان میں موجود خیر کی ایک اور نشانی یہ بھی ہے کہ سال ہا سال گزر جانے کے باوجود وہ مسلسل نوید بٹ کی خیریت کے متعلق پوچھتے رہتے ہیں۔ ہاں حکمرانوں کے پٹھو اور پیروکار خلافت کی دعوت کے علمبرداروں پر جملے کستے ہیں اور انہیں ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کی تعداد خیر کے سمندر کے مقابلے میں چند قطروں کی مانند ہے۔ اکثر مسلمان نوید بٹ کے لیے اخلاص سے دعا کرتے ہیں اور کچھ لوگ اپنی استعداد کے مطابق ان کی رہائی کی کوشش بھی کرتے رہے ہیں۔ یقیناً لوگوں کا یہ حق ہے کہ ان پر مخلص مسلمان حکمرانی کریں اور پاکستان کے مسلمانوں کے لیے وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ اللہ کے اذن سے نوید جیسے لوگ ان کے حکمران ہوں۔

وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ

"اور اُس روز مومن خوش ہو جائیں گے، اللہ کی مدد سے۔ وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب (اور) مہربان ہے" (الروم، 5-4)

مصعب عمیر نے حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کے لیے یہ مضمون تحریر کیا۔

ختم شد

امریکا کے لبرل ورلڈ آرڈر پر کورونا وائرس کی وباء سے پیدا ہونے والے بحران کے اثرات

تحریر: عبدالمجید بھٹی

حال ہی میں عالمی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) نے یہ پیش گوئی کی کہ دنیا میں 1930 میں ہونے والی عظیم معاشی کساد بازاری (گریٹ ڈیپریشن) سے زیادہ شدید کساد بازاری ہونے جارہی ہے۔ آئی ایم ایف کی مینجنگ ڈائریکٹر کرسٹ لینا جورجیوا Kristalina Georgieva نے کہا، "عظیم کساد بازاری (Great Depression) کے بعد ہم اب تک کا سب سے بدترین معاشی بحران دیکھنے کی توقع کر رہے ہیں"[1]۔ بینک آف انگلینڈ نے 1706 عیسوی کے بعد اب تک کے سب سے بدترین معاشی بحران کی پیش گوئی کی[2]۔ امریکا کے فیڈرل ریزرو کے چیئرمین نے اندوہ ناک صورتحال سے خبردار کیا کیونکہ امریکی معیشت کو پہلی سہ ماہی میں جو نقصان پہنچا ہے وہ بدترین عظیم کساد بازاری (گریٹ ڈیپریشن) کے بعد سے سب سے زیادہ ہے[3]۔ اس قسم کی تنبیہات پر مبنی بیانات دلچسپ سوالات پیدا کرتے ہیں کہ کیا مغرب ایک بہت بڑے معاشی بحران کا سامنا کر رہا ہے یا یہ صورتِ حال اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے جو اس کے حتمی زوال کا باعث بن سکتی ہے۔

اکثر لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ مغرب ایک معاشی بحران کا سامنا کر رہا ہے جو عظیم معاشی سست روی (Great Recession) سے لے کر عظیم مستقل معاشی گراوٹ (گریٹ ڈیپریشن)

تک کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ چند ہی لوگ یہ کہنے کی ہمت کرتے ہیں کہ صورتحال 1930 کے عظیم کساد بازاری (گریٹ ڈیپریشن) سے بھی زیادہ خراب ہو جائے گی۔ کورونا وائرس کی وجہ سے پیدا ہونے والے معاشی بحران سے کافی پہلے سے، تجزیہ نگاروں کا ایک چھوٹا مگر بڑھتا ہوا گروہ مغربی تہذیب اور اس کی بالادستی کو مسلسل کم ہوتا دیکھ رہا ہے۔

1997 میں دو نئے تاریخ دان ولیم سٹروس William Strauss اور نیل ہووNeil Howe نے اپنی کتاب "چوتھا موڑ (فورتھ ٹرننگ) امریکی پیش گوئی" میں دعوٰی کیا کہ 2008 میں امریکا بحرانی دور میں داخل ہو گا جو 2020 میں اپنی انتہاء پر پہنچ جائے گا[4]۔ یونیورسٹی آف کنیکٹی کٹ میں ارتقائی بشریات evolutionary anthropologist کے ماہر پیٹر ٹرچن کے مطابق دنیا ہر دو سے تین سو سال بعد ایک سیکولر چکر سے گزرتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں طلب سے زیادہ مزدور موجود ہوتے ہیں، اشیاء سستی ہو جاتی ہیں اور انتہائی امیر افراد اور عوام کے درمیان دولت کی خلیج بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں اشرافیہ کے درمیان لڑائیاں شروع ہو جاتی ہیں، اور غریب عوام کی مشکلات میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ معاشرہ ایک تباہ کن مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے اور بالآخر گر جاتا ہے۔ ٹرچن نے اس کے علاوہ ایک چھوٹے 50 سال کے چکر کا بھی ذکر کیا ہے جو اتنا ہی تباہ کن ہوتا ہے۔ امریکی تاریخ پر کی گئی تحقیق کی بنیاد پر ٹرچن نے 2010 میں پیش گوئی کی تھی کہ اگلا مختصر چکر 2020 میں وقوع پذیر ہونا ہے لیکن وہ بڑے چکر کے ساتھ ٹکرائے گا اور اس طرح ایک فقید المثال افراتفری پیدا ہو گی[5]۔

اربوں ڈالر پر مشتمل ہیج فنڈ کے مالک رے ڈَیلیو Ray Dalio نے ٹرچن کے جیسا ہی ایک نظریہ پیش کیا جسے وہ "قرض کا لمبا چکر" کہتا ہے۔ ڈیلیو کے نقطہ نظر کے مطابق یہ چکر ہر 50 سے 75 سال بعد سامنے آتا ہے اور اس کی چار واضح خصوصیات ہوتی ہیں: ایجادات میں تیزی، ملک میں اشرافیہ کے درمیان گہری تقسیم، ملک سے باہر اقوام کے درمیان بہت کم تعاون، اور ایک مد مقابل کا ظہور۔ آخری "قرض کا لمبا چکر" 1945 کو ختم ہوا تھا جب عظیم کساد بازاری نے جرمنی کو مجبور کیا تھا کہ وہ برطانیہ کے ورلڈ آرڈر کو چیلنج کرے۔ برطانیہ نے وہ جنگ جیت لی تھی لیکن امریکا کے مقابلے میں اسے اپنے مقام سے دستبردار ہونا پڑا تھا جس کے بعد بریٹن ووڈ Bretton Woods کے مقام پر ہونے والے معاہدوں کی بنیاد پر نیا سیاسی و معاشی عالمی آرڈر قائم ہوا۔ ڈیلیو کے مطابق 2020ء میں قرض کا لمبا چکر ختم ہو گا اور عالمی معیشت میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوں گی اور چین اس میں اُبھر کر سامنے آئے گا اور سب سے اوپر ہو گا[6]۔ ٹرچن اور ڈیلیو سے بہت پہلے 1922 میں اوسوالڈ سپینگلر Oswald Spengler نے مغربی تہذیب کی موت کی پیش گوئی کی تھی اور یہ کہ مغرب آخری موسم میں داخل ہو گیا ہے یعنی سردیوں کے موسم میں۔

اوپر بیان کردہ تھیوریاں لچسپ ہیں اور چاہیئے کہ یہ لوگوں کی سوچ و فکر میں کچھ حرکت کا باعث بنیں۔ مغربی مفکرین کی جانب سے حکمران خاندانوں اور تہذیبوں کی پیدائش اور موت کے حوالے سے پیش کیے جانے والے افکار سے بہت پہلے چودھویں صدی عیسوی میں ابنِ خلدون نے

اپنے مقدمہ میں ایک چکر کے چار مراحل: قیام، بڑھنا، زوال، اور خاتمہ، کا ذکر کیا جو حکمران خاندانوں کے عروج و زوال کے پیچھے کارفرماں قوتوں کو بیان کرتا ہے۔ خلدون نے پیش گوئی کی کہ یہ چکر ہر 120 سال کے بعد دہرایا جاتا ہے۔ تاریخ دان آرنلڈ ٹونی بی ابن خلدون کے مقدمے سے اس قدر متاثر تھا کہ اس نے اسے "اپنی طرز کا بہترین کام" قرار دیا[7]۔

کورونا وائرس کی وباء کے سامنے آنے سے کافی پہلے مشاہدہ کرنے والے ذہین لوگ اُن چھپی ہوئی قوتوں کو شناخت کرسکتے تھے جن سے امریکا کے ورلڈ آرڈر کو خطرہ ہے اور کورونا وائرس کی وباء کے بعد یہ صورتحال شاید امریکا کے لبرل آرڈر کے لیے جان لیوا ثابت ہو۔

نیشنلز ازم یا لسانی نیشنلز ازم امریکا کے لبرل ورلڈ آرڈر کے لیے ایک حقیقی خطرہ ہے۔ کورونا وائرس کے وباء پھیلنے سے قبل ہی نیشنل ازم کی قوتیں، جنہوں نے بریگزٹ کا پنڈورا باکس کھولا، ٹرمپ کا انتخاب اور کئی یورپی ممالک میں انتہائی دائیں بازو کی جماعتوں کا مقبول ہونا، ان سب کی وجہ سے آنے والے سالوں میں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ قومی ریاست کی اہمیت قومی ریاستوں کی تنظیموں جیسا کہ یورپی یونین یا کثیر القومی اداروں جیسا کہ اقوام متحدہ، پر حاوی ہو جائے گی۔ یورپی یونین کی طرف سے کورونا وائرس کا مقابلہ کرنے کے لیے اٹلی اور اسپین کو دیر سے مدد فراہم کرنا مستقبل میں اس یونین کے لیے مسائل پیدا کرے گا۔ اسی طرح اقوام متحدہ جو اس وباء سے پہلے عالمی منظر نامے پر محض ایک بے دست و پا کردار رکھتی تھا، اس وباء کے دوران وہ اور ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن WHO مزید غیر متعلق ہو گئے ہیں کیونکہ قومی ریاستوں نے ان عالمی

تنظیموں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس وباء سے نمٹنے کے لیے اپنے اپنے منصوبوں پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ جبکہ مستقبل قریب میں ان عالمی تنظیموں کا کردار مزید محدود ہوتا نظر آتا ہے۔

کورونا وباء کے پھیلنے سے قبل امریکا کی چین اور یورپ کے ساتھ تجارتی جنگ کی وجہ سے گلوبلائزیشن کو کافی نقصان پہنچ چکا تھا۔ آنے والے سالوں میں یہ دیکھنا بہت مشکل ہے کہ گلوبلائزیشن اپنا وجود برقرار رکھ پائے گی۔ کورونا وائرس کا مقابلہ کرنے کے لیے درکار ذاتی تحفظ کے آلات (PPE) کی قلت نے یورپی ممالک کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ ان اشیاء کی چین سے درآمد کی پالیسی کو تبدیل کر کے انہیں اپنے ہی ممالک میں بنانے کی پالیسی اختیار کر لیں۔ کورونا وائرس کے بحران سے پہلے امریکا نے اپنی کئی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی حوصلہ افزائی کی تھی کہ وہ اپنے پیداواری یونٹس کو چین سے واپس امریکا منتقل کر دیں۔ اس طرح امریکا پیداواری یونٹس اور سپلائی چین کو واپس اپنے پاس لا رہا ہے اور اس عمل کو گریٹ ڈی کپلنگ کہا جا رہا ہے[8]، اور کورونا وائرس کے بحران کی وجہ سے اس سوچ اور عمل میں تیزی صرف امریکا میں ہی نہیں بلکہ یورپ میں بھی آئے گی۔ مستقبل قریب میں مقامی پیداوار کو ترجیح دینا گلوبلائزیشن کے عمل پر حاوی ہو جائے گا۔

ایک چیز یقینی ہے کہ کم سے کم شرح سود، معیشت میں تیزی کو برقرار رکھنے کے لیے حکومتی مداخلت اور مرکزی بینک کی طرف سے حکومتی بانڈز کو خرید کر پیسے مہیا کرنے کا جو معاشی نسخہ عظیم کساد بازاری (گریٹ ڈپریشن) کے دوران دیا گیا تھا وہ ترقی یافتہ ممالک کی معیشتوں کو 2008 میں آنے والے معاشی بحران سے قبل کے مقام پر لے جانے میں ناکام ثابت ہوا۔ اسی نسخے

کا دوبارہ استعمال موجودہ عالمی معاشی بحران کو روکنے کی جگہ ناقابل تلافی نقصان پہنچائے گا۔ اس کے اوپر یہ کہ بڑے پیمانے پر بے روزگاری، بڑی تعداد میں کمپنیوں کا دیوالیہ ہونا اور قرض میں مسلسل اضافہ عالمی سطح پر انتہائی امیر افراد اور عوام کے درمیان تقسیم کو مزید بڑھائے گا۔ سرمایہ دارانہ نظام چاہے خود کو کتنا ہی بدلنے کی زبردست کوشش کرلے، اس قسم کی شدید اور وسیع خلیج کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ اس کے برخلاف دولت کے تقسیم میں اس قدر عدم مساوات عالمی سطح پر حکومت کرنے کو مشکل بنادے گا کیونکہ لوگ ایک نئے سماجی معاہدےSocial Contract کا مطالبہ کرنے لگے ہیں۔

امریکا کا لبرل آرڈر اب یقیناً وینٹی لیٹر پر چل رہا ہے۔ امریکا نے جس دنیا کو دوسری جنگِ عظیم کے بعد بڑی دِقت سے تعمیر کیا تھا وہ اب بکھر رہی ہے اور اس بات کے قومی امکانات ہیں کہ دنیا 1945 سے پہلے کی صورتحال پر واپس چلی جائے گی۔ یہ وہ دور تھا جب کئی بڑی طاقتیں اپنے مفادات کا تحفظ کررہی تھیں اور اگر ان کے مفاد کو خطرہ لاحق ہوتا تھا تو وہ جنگ شروع کردیتی تھیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ** "اور ہر ایک قوم کے لیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ آ جاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کرسکتے ہیں نہ جلدی" (الاعراف، 7:34)۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کچھ تہذیبوں کو عروج اور زوال کے راستے پر ڈالتا ہے جبکہ کچھ کو مکمل طور پر تباہ کردیتا ہے۔ اسی طرح ایک قوم بلندی کی جانب سفر شروع کرتی ہے اور دنیا کے امامت حاصل کرلیتی ہے لیکن دنیا کی

چاہت کی تمام حدیں عبور کر لیتی ہے اور تباہی کے گڑھے میں گر جاتی ہے۔ باخبر اور سمجھدار مسلمان وہ ہے جو توجہ سے بین الاقوامی صورتحال سے آگاہ رہتا ہے اور اس موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ مسلمانوں کو ایک بار پھر انسانیت کا رہنما بنادے جس کے وہ حق دار ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ**" (مومنو) جتنی امتیں (یعنی قومیں) پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" (آل عمران، 3:110)۔

یقیناً کورونا وائرس کی شکار دنیا اہل قوت کے لیے ایک زبردست موقع ہے کہ وہ مغربی استعماری طاقتوں کے کنٹرول کو تہہ بالا کرتے ہوئے نبوت کے نقشِ قدم پر ریاست خلافت کو قائم کردیں۔ جس طرح امریکا نے دوسری جنگ عظیم میں شامل ہونے سے پہلے اس بات کا انتظار کیا تھا کہ عظیم یورپی طاقتیں ایک دوسرے کو تباہ برباد کرلیں اور پھر اس نے تاریخی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی قیادت پرانے یورپ سے چھین لی- ایسا ہی مواقع خلافت کو قائم کرنے والوں کو بھی حاصل ہوسکتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ**"مومنو !اللہ اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو جب کہ رسول اللہ تمہیں ایسے کام کے لیے بلاتے ہیں جو تمہیں زندگی (جاوداں) بخشتا ہے۔ اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حامل ہوجاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اس کے

روبرو جمع کیے جاؤگے "(الانفال،8:24)۔

حوالاجات:

[1] Time (2020).

International Monetary Fund Head Predicts Coronavirus Will Trigger 'Worst Economic Fallout Since the Great Depression'. [online] Time. Available at: https://time.com/5818819/imf-coronavirus-economic-collapse/

[Accessed 7 May. 2020].

[2] CNBC (2020).

Bank of England projects worst UK economic slump since 1706. [online] CNBC. Available at: https://www.cnbc.com/2020/05/07/bank-of-england-holds-interest-rates-but-says-it-is-ready-for-further-stimulus.html

[Accessed 16 May. 2020].

[3] The Washington Post (2020).

Fed chair warns of 'heartbreaking' scenario as U.S. economy suffers worst first quarter since Great Recession. [online] The Washington Post. Available at: https://www.washingtonpost.com/business/2020/04/29/gdp-coronavirus/

[Accessed 16 May. 2020].

[4, 5] New Scientist (2016).

End of days: Is Western civilisation on the brink of collapse?. [online] New Scientist. Available at: https://www.newscientist.com/article/mg23731610-300-end-of-days-is-western-civilisation-on-the-brink-of-collapse/

[Accessed 7 May. 2020].

[6] Deal Street Asia (2020).

Billionaire investor Ray Dalio says pandemic to usher in new world order with China on top. [online] Deal Street Asia. Available at: https://www.dealstreetasia.com/stories/pandemic-china-ray-dalio-187533/

[Accessed 7 May. 2020].

[7] Wall Street Journal (2018).

Why history goes in circles. [online] Wall Street Journal. Available at: https://www.dealstreetasia.com/stories/pandemic-china-ray-dalio-187533/

[Accessed 23 May. 2020].

[8] Foreign policy (2020).

The Great Decoupling. [online] Foreign Policy. Available at: https://foreignpolicy.com/2020/05/14/china-us-pandemic-economy-tensions-trump-coronavirus-covid-new-cold-war-economics-the-great-decoupling/

[Accessed 16 May. 2020].

ختم شد

اسلام فکر اور طریقہ ہے

تحریر: بلال المہاجر

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا** "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کی انتہا کر دی ہے اور میں تمہارے لیے اسلام بطور دین پر راضی ہو گیا"۔ لوگوں نے دین کو مغربی مفہوم کے ساتھ اختیار کیا جو کہ مُلا گیری ہے۔ کیونکہ لبرل ازم کو لانے والے مغربی فلاسفر نے پروہت (مذھبی پیشوائیت) کے خلاف بغاوت کی تھی خصوصاً عیسائی مذہبی پیشوائیت کے خلاف، اور فلاسفروں اور مذھبی پیشواؤں کے درمیان سمجھوتے کے بعد وہ مذہبی پیشوائیت اور مذہبی پیشواوں کو زندگی سے الگ کرنے کے نتیجے پر پہنچے، یعنی انہوں نے ان احکام کو، جنہیں مذہبی پیشوا اللہ پر بہتان باندھ کر اللہ کی طرف سے گھڑ لیتے تھے، لوگوں کے امور کی دیکھ بھال سے الگ کر دیا۔ چنانچہ لبرل ازم نے ان من گھرت مذہبی قوانین کو لوگوں کی زندگی سے الگ کر دیا۔ تاہم اسلام میں دین کا مفہوم دوسرے ادیان سے یکسر مختلف ہے کہ جسے مذہبی پیشواؤں نے بادشاہوں کی خاطر بگاڑا تھا، اور یہ بادشاہ مذہب کے نام پر لوگوں کو غلام بناتے تھے۔ دینِ اسلام مذہبی پیشوائیت نہیں بلکہ اس سے کوسوں دور ہے۔ اسلام ایسی آئیڈیالوجی ہے جو ایک ایسے عقیدے پر مبنی ہے جو عقل کو قائل کرتا ہے اور انسانی فطرت کے مطابق ہے، جو ایسے شرعی احکام کا مجموعہ ہے جو بحیثیتِ انسان، انسان کے انسانی مسائل کو حل کرتا ہے۔ یہ احکام زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں، یہ وہ تریاق اور درست حل ہیں جو ہر زمان و مکان میں لوگوں کے

تمام مسائل کو حل کرتے ہیں۔ اسلام کی صفت یہ ہے کہ یہ ایسی آئیڈیالوجی ہے جو ایک ایسے عقیدے پر قائم ہے جسے مکمل نظامِ زندگی پھوٹتا ہے، یعنی یہ فکر اور طریقہ ہے، یہ صرف جامد احکام نہیں کہ یہ کرو اور یہ مت کرو، جو زمانے سے پیچھے رہیں یا وقت سے پہلے ہوں، بلکہ یہ ایسے عملی احکام ہیں جنہیں ہر زمانے اور ہر جگہ ہر جنس کے انسانوں پر نافذ کیا جاسکتا ہے، چاہے وہ عرب ہوں یا عجم کالے ہوں یا گورے اور گندمی، اسلام بطورِ انسان انسان کے لیے آیا ہے۔ جس نے انسانوں کے لیے اس آئیڈیالوجی کو بھیجا ہے وہ انسانوں کا خالق اللہ سبحانہ و تعالی ہے، وہی جانتا ہے کہ کیا انسان کے لیے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں، **أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ** "کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے وہی مہربان اور باخبر ہے" چنانچہ اسلام فکر یعنی عقیدہ اور احکامِ شرعیہ ہے، جبکہ طریقہ وہ احکامِ شرعیہ ہیں جو عقیدہ اور احکامِ شرعیہ کے نفاذ کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں، چنانچہ اسلام واجب الوجود اللہ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے اسلام سے ارتداد سے منع کرتا ہے، اسلام کی دعوت کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیتا ہے. لہذا وہ احکام جو ان اوامر اور نواہی کو نافذ کرنے کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں طریقے میں سے ہیں، جیسے مرتد کے متعلق احکام، جہاد کے احکامات اور عرب و غیر عرب مشرکین کے احکام۔ اللہ نے پاکدامنی کا حکم دیا زنا سے منع کیا، شخصی ملکیت کی حفاظت کا حکم دیا اور چوری سے منع کیا، جان کی حفاظت کا حکم دیا قتل سے منع کیا، ان اوامر اور نواہی کے نفاذ کی کیفیت کو بیان کرنے والے احکام طریقہ میں سے ہیں، جیسے زنا چوری اور قتل کی حد کی سزائیں۔ اللہ تعالی نے خلیفہ کے تقرر کا حکم دیا اور مسلمانوں کو تین دن سے زیادہ خلیفہ مقرر کیے بغیر بیٹھے رہنے سے منع کیا، تنازعات کے فیصلوں کے لیے قاضیوں کے تقرر کا حکم دیا، مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال کا حکم

دیا اور زیادتی سے منع کیا، تجارت میں دھوکہ دہی سے منع کیا، ذخیرہ اندوزی سے منع کیا، ظلم سے منع کیا۔ چنانچہ ان اوامر اور نواہی کے نفاذ کی کیفیت کو بیان کرنے والے احکام طریقہ میں سے ہیں، جیسے بیعت کے احکام، عدلیہ کے احکام، بیت المال کے احکام، مظالم (حق تلفیوں) کے احکام، احتساب کے احکام۔ اللہ نے فقراء اور مساکین کو کھلانے کا حکم دیا، اس بات سے منع کیا کہ کوئی بھوکا سوئے یہ احکام فکر میں سے ہیں۔ وہ احکام جو ان فقراء کو مال دینے کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں اور کسی کے بھوکے سونے سے منع کرتے ہیں طریقہ میں سے ہیں، جیسے نفقات کے احکام زکوٰۃ کے احکام اور بیت المال کے مستحقین کے احکام۔ یوں ہر وہ حکم جو اللہ کے اوامر اور نواہی میں سے کسی کے نفاذ کی کیفیت کو بیان کرے وہ طریقہ میں سے ہے۔ اس کی دلیل وہ دلائل ہے جو احکامِ شرعیہ کی پابندی کے دلائل ہے، جو کہ معروف ہیں جیسے اللہ تعالی کا یہ فرمان: **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ** "تیرے رب کی قسم یہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے جھگڑوں میں تمہیں فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں" اور اللہ کا یہ فرمان کہ **وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا** "جو کچھ رسول تمہیں دیں وہی لے لو اور جس چیز سے منع کریں اسے باز رہو" وغیرہ معروف دلائل ہیں۔

اللہ نے مسائل کو حل کرنے کے لیے احکام نازل کرکے ان کو انسان پر نہیں چھوڑ کہ وہ جیسے چاہے ان احکام کو نافذ کرے، اس نے انسان سے صرف یہ کہہ کر اس کو چھوڑ نہیں دیا کہ چوری مت کرو ،زنا مت کرو دوسروں کا مال مت کھاؤ، شراب مت پیو۔ اسے ایسا نہیں چھوڑا کہ وہ انہیں خود نافذ کرے، بلکہ اسے یہ کہہ کر کہ چوری مت کرو اس نہی کو نافذ کرنے کے احکام کی کیفیت بھی بیان کردی جو کہ چوری، لوٹ مار، سلب اور غصب کے احکام ہیں۔ اللہ تعالی نے زندگی میں انسان کے

لیے ضروری تمام احکام کو بیان کیا ہے اور ان احکام کے نفاذ کے لیے ضروری تمام احکام کو بھی بیان کیا ہے، اللہ نے مسائل کو حل کرنے کے کسی حکم کو اور نہ ہی اس حل کو نافذ کرنے کی کیفیت کو بیان کرنے والے کسی حکم کو انسان پر چھوڑا ہے بلکہ دونوں کو بیان کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام فکر اور طریقہ ہے۔ فکر عقیدہ اور وہ احکام ہیں جو زندگی کے مسائل کا حل دیتے ہیں جیسے اسلام کی صلاحیت پر ایمان، کتاب و سنت پر ایمان ، کفر کی خرابی اور بگاڑ پر ایمان۔ اسی طرح تجارت کے احکام، نکاح کے احکام، اجارہ کے احکام، نماز کے احکام۔ جبکہ طریقہ فکر کو نافذ کرنے کی کیفیت کے احکام ہیں، یعنی عقیدہ کو نافذ کرنے اور احکام شرعیہ کو نافذ کرنے کی کیفیت جیسے جہاد کے احکام ،غنائم کے احکام، مالِ فئی کے احکام اور مرتد کے احکام۔ اسی طرح سزاؤں کے احکام جیسے حدود ،جنایات اور تعزیر۔ اسی طرح امامت قضاء اور حسبہ کے احکام۔ اسی طرح دعوت کے احکام، حکمرانوں کے محاسبے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے احکام۔ یہی وجہ ہے کہ طریقے کی پابندی فرض اور اس سے انحراف گناہ ہے، اگر اس کی پابندی نہیں کی اور یہ اعتقاد رکھا کہ یہ قابلِ عمل نہیں تو یہ عمل کفر ہے العیاذ باللہ، یعنی یہ اعتقاد رکھ کر طریقے سے متعلق احکام کی پابندی نہیں کی کہ یہ قابل عمل ہی نہیں جیسا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا تو یہ کفر ہے، اگر سستی کاہلی یا لاپرواہی وغیرہ کی وجہ سے اس کی پابندی نہیں کی تو یہ عمل معصیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ حکمرانوں اور ججوں کے فیصلے معصیت یا کفر ہیں، کیونکہ حکمرانی اور قضاء طریقہ میں سے ہیں، جو جج چور کو قید کرنے کا حکم دیتا ہے ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیتا دیکھا جائے گا کہ اگر وہ یہ فیصلہ اس اعتقاد کے ساتھ دیتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا درست اور قابل عمل نہیں تو وہ کافر اور مرتد ہے، اگر وہ یہ فیصلہ مجبوری میں حکمران کی خواہش پر دیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ درست فیصلہ ہاتھ کاٹنے کا

ہے تب وہ نافرمان ہے، دونوں صورتوں میں گنہگار ہے۔یہی حال حکمران کا ہے۔ چنانچہ طریقے کی پابندی یعنی ان احکام کی پابندی جو احکام کو نافذ کرنے کی کیفیت کو بیان کرتے کے حوالے سے اللہ تعالی نے سخت وعید سنائی ہے فرمایا: **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ** "آپ (ﷺ) کے رب کی قسم! یہ آپ کو فیصلہ ساز بنانے تک مومن نہیں ہو سکتے" اور اس کے خطرے کی انتہا یہ ہے کہ جو یہ اعتقاد نہ رکھے وہ کافر ہے، العیاذ باللہ۔ مسلمانوں کا مسئلہ اسلام کے نزول کے وقت سے لے کر آج تک اور قیام قیامت تک وہی ہے یہ کبھی تبدیل ہوا نہ تبدیل ہو گا، یہ متعین اور مقررہ طریقے سے اسلام کی نشرواشاعت ہے جو کہ جہاد ہے، یعنی قوت سے انسانوں کو اللہ خالقِ کائنات کے نازل کردہ قوانین کے ماتحت کرنا، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا لوگوں کے ساتھ تصادم اسلام اور مسلمانوں کی فطرت ہے۔ اسلام کے معاملے میں ریاست یا اتھارٹی کا وجود جسم کے لیے روح کی طرح ہے، بغیر اتھارٹی کے اس معاملے کا وجود نہیں نہ ہی یہ زندہ و متحرک رہ سکتا ہے، بغیر اتھارٹی کے اسلام کا نور زندگی میں جلوہ گر نہیں ہوگا نہ ہی اسلام کا کوئی عملی وجود ہو گا۔ لوگوں کے ساتھ جس تصادم میں مسلمان داخل ہوتے ہیں یہ تصادم فکری تصادم ہے جس کا آلہ مادی ہے، چاہے یہ جہاد میں ہو یا لوگوں کو اسلام کے احکام کے سامنے جھکانا ہو۔ جہاد میں ان سے قتال سے پہلے ان کو ایسے طریقے سے اسلام کی طرف دعوت دی جاتی ہے جو قابل التفات ہو؛ لوگوں کو احکام کے سامنے جھکانے میں سزا صرف فرض یا حرام پر دی جاتی ہے، ان احکام کو لوگوں کو باخبر کرنے اور لوگوں کو سمجھانے کے بعد ہی نافذ کیا جا سکتا ہے، دونوں صورتوں میں ریاستی اتھارٹی ہی جہاد اور حدود اللہ کو قائم کرنے میں اسلام کی فکر پر قائم اتھارٹی ہوتی ہے، یہ فکر پر ہی چلتی ہے، یہ اور فکر امتزاج سے چلتے ہیں جس میں تمیز اور افتراق درست

نہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلامی اتھارٹی سے ٹکرانے والوں کے لیے اس کا سامنا کرنا آسان نہیں ہوتا تھا، کیونکہ ان کا ٹکراؤ صرف مادی ہوتا تھا، ان کی اتھارٹی صرف مادی ہوتی تھی، جبکہ اسلام کی جدوجہد ایسی جدوجہد ہوتی ہے جس کا آلہ مادہ ہے جبکہ اس کی اتھارٹی فکر پر قائم اتھارٹی ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ جنگ جیتتے تھے چاہے بعض معرکوں میں ان کو شکست کا سامنا ہی ہو، غالبا یہی اس راز کو فاش کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا بڑی قوت کے سامنے ڈٹنے کا حکم دیا گیا، پھر جب ان کے لیے نرمی کی گئی تو ان کو اپنے سے دو گنا بڑی قوت کے سامنے ڈٹنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ اس فکر کی قوت جس پر یہ اتھارٹی قائم ہے اور جس کے اساس پر فرد کی زندگی قائم ہے مادی قوت سے دس گنا بڑی اور شدید قوت ہے، اسی لیے یہ لوگوں کے ساتھ اس تصادم میں سب سے اہم ہے جس میں مسلمان لازما داخل ہوں گے، یہ وہ فکری پہلو ہے جس پر مادی قوت قائم ہے، یا بالفاظ دیگر مادی قوت کا قیام ایک فکر پر ہے۔

جو لوگ مسلمانوں کے خلاف خونریز تصادم میں داخل ہوئے وہ اسلامی عقیدے کی حقیقت کا ادراک نہیں رکھتے تھے، یعنی یہ کہ اسلام کے عقیدے کی فکر مسلمانوں کی مادی قوت کو مضبوط کر دیتی ہے، اس لیے وہ مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے اپنی مادی قوت کو مسلمانوں کی مادی قوت سے زیادہ کرنے پر اعتماد کرتے تھے، مگر قوت کو بڑھانے کے باوجود اور مسلمانوں کے ان سے کمزور اور تعداد میں کم ہونے کے باجود مسلمان کامیاب رہتے تھے۔ یہی حال مشرکین کا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے ساتھ تھا، یہی حال رومیوں کا صحابہؓ کے ساتھ تھا، یہی معاملہ فارس کا صحابہ کے ساتھ تھا، یہی حال ان تمام کفار کا تھا جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہوئے۔ مسلمان صرف دو بار جنگ ہارے، ایک صلیبی جنگوں میں جنگ ہار گئے پھر واپس آکر جنگ جیت گئے، دوسرا

انیسویں صدی عیسوی میں پہلی جنگِ عظیم میں طویل جنگ کے بعد بالآخر شکست کھا گئے۔ اب پوری دنیا مغرب کی بالادستی سے نکلنا چاہتی ہے اس لیے یہ فطری بات ہے مسلمان بھی پوری دنیا کی طرح اپنے اوپر مغرب کی بالادستی کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور اپنے علاقوں سے اس کے اثرورسوخ کو زائل کرنا چاہتے ہیں، مگر کیا دنیا اپنے اوپر مغرب کی بالادستی کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گی؟ کیا مسلمان اپنے اوپر مغرب کی بالادستی ختم کر پائیں گے؟ مگر مسلمان تب درست سمت چلیں گے جب پہلے وہ اپنے مسئلے کو سمجھیں گے جو کہ مغرب کی بالادستی نہیں، مسئلہ یہ نہیں یہ تو انسان کے اندر فطری ردعمل ہے کہ وہ بالادستی کے خلاف مزاحمت کرتا ہے اور غلامی کو قبول نہیں کرتا، ان کا مسئلہ تو جہاد کے ذریعے اسلام کو پھیلانے کا مسئلہ ہے، یعنی یہ اسلام کی اشاعت کا مسئلہ ہے، قوت کے ذریعے لوگوں کو شرعی احکام کے سامنے سرنگوں کرنے کا مسئلہ ہے، یعنی درست طریقہ لوگوں سے تصادم میں داخل ہونا ہے، سارے لوگوں کے ساتھ، مادی تصادم میں، اسلام کی اشاعت اور لوگوں کو اس کے احکام کے سامنے جھکانے کے لیے خونریز تصادم میں، یہی صحیح طریقہ ہے اس کے سوا مسلمانوں کے پاس کوئی طریقہ نہیں، بطورِ مسلمان ہونے کے ان کے لیے اس طریقے کے علاوہ کوئی اور طریقہ ممکن بھی نہیں، ان کے لیے آگے بڑھنے کا کوئی اور راستہ نہیں، بلکہ مسلمان رہنے کے لیے وہ اس طریقے پر چلنے میں مجبور ہیں، بلکہ اگر وہ مسلم امہ رہنا چاہتے ہیں تو یہی طریقہ ہے، کیونکہ یہ تصادم مسلمانوں کی فطرت ہے بلکہ یہ اسلام کی فطرت ہے۔

تاہم اس مسئلے کے لیے اس تصادم میں داخل ہونے کے لیے ایک اتھارٹی کا موجود ہونا لازم ہے، مگر کوئی بھی اتھارٹی نہیں، بلکہ اسلامی اتھارٹی، اس لیے پہلے اسلامی اتھارٹی کا وجود لازمی ہے پھر فوراً لوگوں کے ساتھ مادی تصادم میں داخل ہونا ہے، یوں اسلامی اقتدار ہی پہلا قدم ہے۔ جس کے

فورا بعد لوگوں کے ساتھ مادی تصادم میں داخل ہونا ہے، اس لیے اسلامی اقتدار کو وجود میں لانے کے لیے جدوجہد ضروری ہے کیونکہ اس کے وجود میں آنے سے قبل کچھ نہیں ہو گا، بلکہ اس کے وجود میں آنے سے قبل مسئلے کے لیے کچھ نہیں کیا جاسکتا، اسلیے اس اقتدار کو وجود میں لانے کا عمل سب سے مقدم ہے اور اسی کے لیے جدوجہد سب سے پہلے ہے، یعنی اسلامی کی اتھارٹی کو وجود میں لانے کا کام۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلم علاقوں میں اسلامی اتھارٹی کا قیام کسی بھی اتھارٹی کے قیام سے آسان ہے، چاہے یہ اس اتھارٹی کی فطرت کے حوالے سے ہو یا اسلامی اتھارٹی کے بطور اسلامی اتھارٹی کی فطرت کے حوالے سے ہو۔ جہاں تک اتھارٹی کی فطرت کا تعلق ہے تو اتھارٹی امت میں یا اس کے طاقتور گروہ میں پوشیدہ ہے، چونکہ کسی بھی مسلم ملک کے باشندے مسلمان ہیں، اس لیے ان میں اسلامی اتھارٹی قائم کرنا کسی بھی اور اتھارٹی کے قیام سے آسان ہے، جہاں تک اسلامی اتھارٹی کی فطرت کی بات ہے تو یہ اسلامی اتھارٹی اپنے قیام کی ابتدا سے ہی ایک مسلمان پر دس کے سامنے ڈٹ جانے کو فرض قرار دیتی ہے، باقی سارے حالات میں دو کے سامنے ڈٹ جانے کو۔ جو لوگ اتھارٹی قائم کرتے ہیں اگر وہ اس ملک میں اقلیت میں ہوں تو وہ دس کے سامنے ڈٹ جانے پر قادر ہوتے ہیں، وہ اسلامی اتھارٹی قائم کرنے اور ان لوگوں پر غلبہ حاصل کرنے میں قادر ہیں جو کوئی اور اتھارٹی قائم کرنا چاہتے ہیں، اسی لیے اسلامی علاقوں میں اسلامی اتھارٹی قائم کرنا کسی بھی غیر اسلامی اتھارٹی قائم کرنے سے زیادہ آسان ہے، لہٰذا اللہ تعالی کے اس قول کو یاد کرنے کی ضرورت ہے: **وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا** "اگر تم میں سے سو ہوں تو ہزار پر غالب آئیں گے" اسی طرح اللہ کے اس فرمان کو: **إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا**

مِائَتَيْنِ "اگر تم میں بیس صبر کرنے والے ہوں تو دو سو پر غالب آئیں گے"۔

اسلام جو کہ عقیدہ پر قائم ہے، سے جامع منفرد نظام پھوٹتا ہے"، یہ انسانیت کے لیے نیک بختی ہے اور اس کے مسائل کو حل کرتا ہے، اس عظیم الشان اسلام کو نافذ کرنے کا طریقہ وہ اسلامی ریاست ہے جو اسلام کے ذریعے حکمرانی کرتی ہے، مگر یہ عظیم الشان اسلام اس وقت تک صرف عظیم آئیڈیالوجی ہی رہے گا جب تک امت مسلمہ اس کو ریاست میں نافذ کرنے کی جدوجہد نہیں کرے گی، جس کی قیادت ایک ایسی اسلامی سیاسی جماعت کرتی ہو جو اسلام کے احکام کی گہری سمجھ رکھتی ہو، مگر اس جماعت کو اقتدار تک پہنچانے کے لیے مادی قوت کی ضرورت ہے، یہ قوت رکھنے والے عالم اسلام کی افواج کے وہ اہلِ نُصرہ ہیں، جو اسلام کے مسئلے کا ادراک رکھتے ہیں کہ کارزارِ حیات میں اسلام کا نفاذ اور اس کا طریقہ متعین ہے جو کہ جہاد اور لوگوں کو قوت کے ذریعے اس کے احکام کی پابندی پر مجبور کرنا ہے، یوں اسلامی اتھارٹی کے ذریعے لوگوں کے ساتھ تصادم میں داخل ہوئے بغیر اور اس طریقے کے بغیر مسلمانوں کا مغرب کی بالادستی سے نکلنا ممکن نہیں نہ ہی وہ اس کے بغیر مغرب کے اثر و رسوخ کو زائل کر سکتے، بلکہ اس کے بغیر وہ اسلامی امت ہی نہیں رہ سکتے، نہ ہی اہلِ قوت کو یہ کہنے کا حق ہے کہ وہ اسلام کی محافظ قوت ہیں، یوں ذمہ داری اہل نصرہ کے کندھوں پر ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کا فرض انجام دیں، اسلام کے حکمرانی کو قائم کریں اور اسلام کو تمام انسانوں کے سامنے ہدایت اور رحمت کے پیغام کے طور پر پیش کریں۔

ختم شد

بجٹ 2020 کا مخمصہ

تحریر: خالد صلاح الدین

عالمی وبائی مرض COVID-19 نے بہت سے ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اس بیماری نے جہاں صحت کے نظام پر دباؤ ڈالا وہیں اس کی وجہ سے ہونے والے لاک ڈاؤن نے معاشی سرگرمیوں کو متاثر کیا۔ پاکستان بھی اس صورتحال سے محفوظ نہ رہ سکا جو ابھی آئی ایم ایف پروگرام میں داخل ہی ہوا تھا اور عبد الحفیظ شیخ، جو کہ وزیر اعظم عمران خان کا مشیر برائے خزانہ اور محصولات ہے، کو جون میں اگلے مالی سال کا بجٹ بھی پیش کرنا ہے۔

ڈاکٹر عبد الحفیظ کو دو مشکلات کا سامنا ہے، جو ہر اس ترقی پذیر ملک کے لئے مسئلہ سمجھی جاتی ہیں جن کے پاس کوئی حقیقی صنعتی بنیاد نہیں ہے۔ اُس کے انتہائی محدود اختیارات کے بارے میں بحث ہو سکتی ہے لیکن جس اصل مسئلے کا اسے سامنا ہے وہ وہ تصفیہ طلب مسائل ہیں جو 1988 کے بعد لیے گئے فیصلوں کے نتیجے میں وجود میں آئے۔ 1988 کے بعد آئی ایم ایف کے زیر انتظام Structural Adjustment Program نے ملک کو صنعتی تباہی کی طرف دھکیل دیا۔ اس نے نہ صرف برآمدی صنعت کو چند گنی چنی اشیاء کی پیداوار تک محدود کر دیا جس نے کرنٹ اکاؤنٹ خسارے کو مزید بڑھایا بلکہ اس نے ایسی صنعتوں کے قیام کو بھی روکا جو درآمدات کا متبادل فراہم کر سکیں۔ صنعتی پالیسی کا خاکہ جو 1988 میں حکومتِ پاکستان کے وعدہ کردہ letter of intent میں پیش کیا گیا اس نے صنعتوں پر سے حکومتی عمل دخل کو ہٹا دیا بلکہ آزاد تجارت کے فروغ کے لیے برآمدات کو مراعات دیں[1] اور درآمدات کے لئے آسان ٹیرف متعارف کرایا گیا،

گیس، بجلی، کھاد وغیرہ پر سبسڈی کو بتدریج کم کرتے ہوئے ختم کرنے کا آغاز کیا گیا۔ ان تمام پالیسیز سے واضح تھا کہ اس کے نتیجے میں بہت سی درآمدی اشیاء گھریلو پیداوار کے مقابلے میں سستی ہونگی، جو de-industrialisation کو جنم دے گی۔

اس کا بے روزگاری پر ایک نمایاں طویل مدتی اثر رونما ہوا کیونکہ آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ مستقل غربت کی نظر ہو کر ٹیکس کے نظام سے باہر ہو گیا۔ اس کے ساتھ، عالمی بینک (آئی ایم ایف کی جڑواں تنظیم) کی 1990 میں نافذ کردہ بجلی پالیسی نے ہماری بجلی کی پیداوار کو پن بجلی سے معدنی ایندھن کی طرف پھیر دیا، جو تیل کی درآمد پر انحصار کا باعث بنا۔ 2010 میں، پانی سے پیدا کی گئی بجلی کی قیمت Rs 1.03kWh تھی جبکہ تیل سے پیدا کی جانے والی بجلی کی قیمت Rs 8.5/kWh تھی۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ اس کی وجہ سے نہ صرف برآمدات زیادہ مہنگی ہو گئیں (کیونکہ صنعتوں کو چلانے کے لیے توانائی کی ضرورت ہے)، بلکہ برآمدی اشیاء کی تیاری کے لیے درکار بجلی کو تیل سے تیار کرنے کے عمل نے کرنٹ اکاؤنٹ خسارے میں اضافے کے ساتھ گردشی قرضے کو بھی بڑھادیا۔ اس تمام تر صورتِ حال کا حل بہت سادہ ہے، مقامی ضروریات پر مبنی معیشت کے لئے صنعتی ترقی کو فروغ دینا لیکن اس کے لئے وسیع سرمایہ کاری کی ضرورت ہو گی جو ہمیشہ حکومتوں کے لیے انتہائی ناپسندیدہ عمل ہوتا ہے۔

گذشتہ سال کے مقابلے میں اس سال اپریل میں برآمدات میں 54 فیصد کمی ہوئی، جو جولائی 2019 سے اپریل 2020 تک تقریبا 1 بلین ڈالر کی کمی ظاہر کر رہی ہے[2]۔ پاکستان کی برآمدات ایشیا (37٪)، یورپ (37٪) اور امریکہ (26٪) پر مشتمل ہے اور یہ تمام خطے COVID-19 کی

عالمی وباءسے شدید متاثر ہوئے ہیں۔ لہذا اگر وبائی صورتحال برقرار رہی تو برآمدات میں تقریبا٪20 کمی کا امکان ہے[3]۔ آئی ایم ایف پروگرام کی وجہ سے طلب Demand میں مزید کمی کہ وجہ سے برآمدات میں واقع ہونے والی کمی کرنٹ اکاؤنٹ خسارے کو مزید نمایاں کر دے گی۔ گو کہ تیل کی قیمتوں میں کمی نے تیل کی درآمدی بل کو کم کرنے میں مدد فراہم کی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اندرون ملک تیل کی طلب میں بھی کمی واقع ہوئی جس کے نتیجے میں ایندھن سے حاصل ہونے والے ٹیکس محصولات میں بھی کمی واقع ہوگئی۔ آئی ایم ایف پروگرام کا ایک اور نتیجہ براہِ راست اور بالواسطہ ٹیکسوں سے حاصل ہونے والے محصولات میں کمی تھی (طلب سکڑنے کی وجہ سے)، جس سے ٹیکس گوشوارے جمع کرنے والوں پر اضافی بوجھ پڑا۔ ٹیکس بیس Tax Base بڑھانے کی مہم بری طرح ناکام ہوچکی ہے، کیونکہ ٹیکس فائلرز میں 40 فیصد اضافے کے باوجود جنوری 2020ء تک محصولات میں صرف 17٪ کا اضافہ ہوسکا ہے۔

مغربی سرمایہ دارانہ نقطہ نظر سے، مستقل مالی خسارے کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اپنے اخراجات کو اپنے ٹیکس محصولات کے ذریعے پورا کرنے سے قاصر ہے، ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے پھر قرض کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ پاکستان کے معاملے میں، اس مالی خسارے کو پورا کرنے کے لیے پیسہ اکٹھا کرنے سے حکومتی قرض میں اضافہ ہوجاتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں سود کی ادائیگی میں اضافہ ہوتا ہے جس سے مالی خسارہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ اب تک رواں مالی سال کے پہلے نو مہینوں میں عوامی قرضوں Public Debt Servicing کی مد میں سود کی لاگت 1.9 کھرب روپے ہوچکی ہے[4]، جو وفاقی حکومت کو حاصل ہونے والے ریوینیو net federal

٪79کاrevenue ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی ریاست کے پاس اپنے اخراجات پورا کرنے کے لئے دولت نہ ہوں تو اس صورت میں یہ قدرتی امر ہے کہ وہ قرض لے گی، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ سود کے بنیادی معاہدے نے کس طرح پیسے کی ایک بہت بڑی مارکیٹ کو تشکیل دیا ہے جو طلب demand پر مبنی ایک مضبوط مقامی معیشت پیدا کرنے کے لئے درکار سرمایہ کاری کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ آخر کوئی نظام اس طرح کے معاہدوں کی کیسے اجازت دے سکتا ہے جس سے دولت مند بغیر کسی محنت کے دولت میں مزید اضافہ کریں اور جو درحقیقت حقیقی معاشی سرگرمی کی تباہی کا باعث بنے؟ سودی معاہدے کی وجہ سے لازمی طور پر جنم لینے والے دولت کی تقسیم کی عدم مساوات نے مغرب میں تباہی مچا رکھی ہے، جس کی وجہ سے ایک فرانسیسی معیشت دان Thomas Piketty اپنی کتاب Capital میں دولت پر confiscatory global tax لگانے کا مطالبہ کرتا ہے۔

عبدالحفیظ شیخ کو مالی خسارے کو کم کرنے کے لیے ٹیکس محصولات میں اضافہ کرنا ہو گا۔ لیکن 1988 کے بعد آئی ایم ایف کے Structural Adjustment Program نے صنعتی شعبے کو تنزلی سے دوچار کر دیا۔ دولت کی انتہائی غیر مساوی تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ بہت چھوٹا حصہ ہی سب سے زیادہ کمانے والا ہوتا ہے اور ایک بہت بڑا حصہ بہت کم کماتا ہے۔ لہٰذا محصول کی کمی اور اس وجہ سے مالی خسارہ، مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعہ پیدا ہونے والی دولت کی غیر مساوی تقسیم کا ایک فطری نتیجہ ہے۔110 ملین کے قریب کام کرنے والی آبادی میں ، اگر صرف 1 ٪ ٹیکس گوشوارے جمع کرتے ہیں، تو کیا باقی 99٪ ٹیکس نہیں دیتے یا یہ کہ 99٪ میں سے بیشتر ملازمت ہی

نہیں ڈھونڈ پاتے یا اتنا بھی نہیں کما پاتے کہ کم سے کم ٹیکس بریکٹ میں آ سکیں؟

حقیقی طور پر، عبد الحفیظ شیخ کے لیے کرنٹ اکاؤنٹ خسارے میں بہتری لانے کے لئے واحد راستہ برآمدات میں اضافہ اور درآمدات میں کمی ہے۔ لیکن اس کے پاس وہ وسائل نہیں کہ وہ یہ کام سرانجام دے سکے، یعنی صنعتی شعبے میں سرمایہ کاری۔

لہٰذا آج ڈاکٹر عبد الحفیظ شیخ کو جو اصل مسائل درپیش ہیں وہ ٹیکس سلیب میں چھیڑ چھاڑ، پیسے چھاپنا، ٹیکس چھوٹ اور ٹیکس معافی کے مسائل نہیں بلکہ ان کو تو اپنے ادارے یعنی ورلڈ بینک کی نافذ کردہ اُن پالیسیز کے ثمرات کا سامنا ہے، کہ جس ادارے کی طرف سے وہ سعودی عرب کے لیے ملکی سربراہ country head تھے، اور جس ادارے کی طرف سے وہ سینئر مشیر کی حیثیت سے ایشیا، افریقہ، یورپ اور لاطینی امریکہ کے 21 ممالک کو مشاورت فراہم کرتے رہے۔ علاوہ ازیں اِن حکم کردہ پالیسیوں کو سابق نگران وزیر اعظم ڈاکٹر معین قریشی نے عملی طور پر نافذ کیا تھا جو ورلڈ بینک کے سینئر وائس پریزیڈنٹ تھا۔ تو اگر ڈاکٹر عبد الحفیظ مخلص ہوتے تو وہ ان تمام پالیسیاں کو واپس پلٹتے جو ان سے قبل آنے والوں نے نافذ کی تھیں۔ لیکن اس کے لئے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی پالیسیوں کے خلاف جانا ہو گا، جو سرمایہ دارانہ معاشی اصول کی توہین کے مترادف ہے۔ یہاں تک کہ اقتصادیات میں نوبل انعام یافتہ Joseph Stiglitz جیسوں نے بھی ان پالیسیوں کے حقیقت پسندانہ ہونے پر سوال اٹھایا ہے۔ سرمایہ داریت کے حوالے سے وہ کہتا ہے[6]: "اس میں واضح طور پر دھاندلی ہے کیونکہ کچھ دولت مند طاقتوروں اور ان کی اولادوں کو دوسروں کے مقابلے میں بہتر مواقع میسر ہیں، جس سے انہیں اپنے مفاد کو برقرار رکھنے میں مدد ملتی ہے۔

کتابوں میں بیان کردہ مسابقتی، level playing-field موجود نہیں، ہر سیکٹر میں کچھ بڑی کمپنیاں موجود ہیں جو (نئی کمپنیز کے) مارکیٹ میں داخلے میں لگ بھگ ناقابلِ تسخیر رکاوٹیں حائل کرتی ہیں۔ بہت سے لوگ دولت مند بنتے ہیں مگر ایسا ملک کی معیشت کے حجم میں اضافہ کر کے نہیں بلکہ استحصال کے ذریعے دوسروں کا بڑا حصہ غضب کرنے سے ہوتا ہے، چاہے یہ استحصال مارکیٹ کی طاقت کے ذریعے ہو، زیادہ معلومات کے مواقع یا دوسروں کی کمزوریوں کے ذریعے ہو"۔

اگر دوٹوک الفاظ میں کہا جائے تو ڈاکٹر عبد الحفیظ شیخ ایک خالص آئی ایم ایف کا آدمی ہے، جس کی رگوں میں مغربی سرمایہ دارانہ معاشی سوچ دوڑ رہی ہے۔ کیا وہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے ذریعہ قائم کردہ پالیسیوں کو تبدیل کرنے جارہا ہے؟ کیا اس میں اتنا اخلاص بھی ہے کہ وہ یہ قبول کرے کہ جن مسائل کو وہ حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے وہ اسی پالیسی کا نتیجہ ہے جس پر وہ یقین رکھتا ہے؟ ڈاکٹر عبد الحفیظ شیخ جیسے لوگوں کی عکاسی قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کے ذریعے ہوتی ہے: **اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا**

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اُتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے لیکن وہ فیصلے کے لیے اپنے معاملے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔" (سورہ النساء آیت 60)

سرمایہ دارانہ نظام کا معاشی پیش رفت کو ناپنے کا پیمانہ بڑھوتری (گروتھ) ہے، جسے یوں بیان کیا جاتا ہے: مخصوص مدت کے دوران معاشی سامان اور خدمات کی پیداوار میں اضافہ۔نہ ہی انسان اور اس کی ضروریات کو اور نہ ہی معاشرے کے تمام لوگوں کے لیے روزگار کی فراہمی کو بڑھوتری کے اس فہم میں شامل کیا گیا ہے۔اس کی وضاحت کے لئے اخبار 'دی نیوز' میں 23 اپریل 2020 کو شائع ہونے والی ایک رپورٹ کا اقتباس پیشِ خدمت ہے: "بدھ کے روز اسٹیٹ بینک کے گورنر ڈاکٹر رضا باقر اور ڈپٹی گورنر مرتضیٰ سید کی جانب سے منتخب معاشی تجزیہ کاروں کو دی جانے والی ایک آن لائن تفصیلی پریزنٹیشن میں پیشن گوئی کی گئی ہے کہ جی ڈی پی کی شرح نمو کم ہو سکتی ہے جو کہ متوقع طور پر موجودہ مالی سال کے لئے منفی 1.5 فیصد ہو سکتی ہے۔"

یہ منفی 1.5٪ کی شرح کیسے بتائے گی کہ ملک کے کتنے افراد کے پاس نوکری ہے یا کتنے افراد بھوکے ہیں؟ وہ تمام معاشی ماڈلز جو سرمایہ دار ماہرین استعمال کرتے ہیں جیسے کہ dynamic stochastic general equilibrium، Trickle down effect، Modern Monetary Theory، وغیرہ، یہ سب بنیادی معاشی مسئلے کو حل کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ مسائل حل ہی نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی بنیاد کفر پر ہے جن کا اسلام کے احکامات سے کوئی تعلق نہیں۔اس کے برعکس اسلام کی معاشیات سمجھنے اور نافذ کرنے میں آسان ہے جس میں ان جیسے کوئی پیچیدہ نظریات نہیں ہیں بلکہ صرف اللہ سبحانہ وتعالی کے قوانین ہیں، جن پر افراد عمل کرتے ہیں اور ریاست جنہیں نافذ کرتی ہے۔ لیکن ان قوانین کا عملی اظہار انسانوں کی معاشی زندگی کے متعلق یکسر مختلف انداز میں ہوتا ہے۔ اسلام انسان کی بنیادی ضروریات پر توجہ مرکوز کرتا ہے

یعنی خوراک، رہائش اور لباس۔ ریاست حکمران کو اُن تمام لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کا پابند کرتی ہے جو اس کی ذمہ داری میں آتے ہیں، اور ریاست ان لوگوں کے لئے نگران اور ذمہ دار ہے جو اپنی ضروریات پورا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ حضرت عثمان بن عفانؓ حدیث روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **»مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا«** "جس کی صبح اس طرح ہو کہ وہ اپنے گھرانے میں امن کے ساتھ ہو، اس کا جسم تندرست ہو اور اس کے پاس دن کا کھانا موجود ہو تو گویا اسے پوری دنیا مل گئی". (ترمذی 2341)۔ اور رسول اللہ ﷺ جو کہ ریاست کے حکمران تھے نے یہ قرار دیا کہ وہ شخص کہ جس کے پاس کچھ مال نہ ہو اور اس کے ایسے کوئی رشتے دار نہ ہوں جو اس کو مہیا کر سکتے ہوں تو اس کی ذمہ داری ریاست پر ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **»مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ وَمَنْ تَرَكَ كَلاًّ فَإِلَيْنَا«** اگر کوئی مسلمان مال چھوڑ کر مرا تو یہ مال اس کے ورثاء کا ہے اور اگر اس نے صرف پسماندگان چھوڑے تو ان کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے" (بخاری)۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: **وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ** "اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقے پر ان ماؤں کے کھانے اور لباس کا خرچ اٹھائے۔ (ہاں) کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ نہ تو ماں کو اپنے بچے کی وجہ سے ستایا جائے، اور نہ باپ کو اپنے بچے کی وجہ سے۔ اور اسی طرح کی ذمہ داری وارث پر بھی ہے۔" (سورہ البقرہ آیت 233)

اس کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو اس قابل بنایا جاتا ہے کہ معاشرے میں مسلسل طلب پیدا ہوتی رہے اور برقرار رہے۔ آمدنی کے بجائے صرف دولت پر ٹیکس لگانے سے فرد اپنی قابلِ خرچ آمدنی میں اضافہ کرپاتا ہے۔ یہ معاشرے کے افراد ہی ہیں جو اس کے بعد مجموعی طلب کو جنم دیتے ہیں۔ تو ہم معاشرے کی ترقی کا اندازہ مال اور خدمات کے لحاظ سے کیوں کریں جبکہ معاشرے کے افراد اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے طلب پیدا کرنے کے قابل ہی نہ ہوں؟

مالیاتی پالیسی کا تعلق محصولات اور جس انداز سے وہ معاشرے میں خرچ ہوتی ہے اس کے ساتھ ہے۔ مالی خسارہ بذات خود اچھی یا بری چیز نہیں بلکہ اہم یہ ہے کہ اس نے کس چیز کی وجہ سے جنم لیا۔ جیسا کے پہلے بھی ذکر ہو چکا کہ عوامی قرضوں کے سودی ادائیگیاں اب محصولات کا 79٪ ہیں (جس کا 86٪ مقامی قرضوں سے متعلق ہے) اور اس میں مزید اضافہ متوقع ہے۔ اسلام سودی معاہدے کو ممنوع قرار دے کر اس مسئلے کو حل کرتا ہے: **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا** "ان کی یہ حالت اس لیے ہے کہ انہوں نے کہا کہ تجارت بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سودی لین دین، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔" (سورۃ البقرۃ آیت 275)۔

اسلام میں بیت المال میں آمدنی کے مستقل ذرائع میں جزیہ، خراج، اور زکوۃ شامل ہے۔ دولت پر کم سطح پر ٹیکس لگا کر ریاست کو اتنے ہی محصولات اکھٹے ہوتے ہیں جتنے آمدنی پر وسیع پیمانے پر ٹیکس لگا کر حاصل ہوتے ہیں۔ معاشرے کے دولت مندوں سے قرض لینے کا تصور کوئی نئی بات

نہیں، اور مالی خسارے کا تصور تو نبی ﷺ کے دور میں بھی موجود تھا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: مَّنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضَاعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ "کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے، پس اللہ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے، اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔" (البقرہ آیت 245)

دولت مندوں کو مالی خسارے کو پورا کرنے میں کردار ادا کرنا چاہیے، اور ان کا ثواب آخرت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے کئی گنا ملے گا۔ جنگ تبوک میں ابو بکر صدیقؓ نے اپنی تمام ملکیت امداد کے طور پر پیش کر دی جس کی قیمت چار ہزار درہم تھی، حضرت عثمانؓ نے سامان سے لدے ہوئے تین سو اونٹ اور ساتھ ہی پچاس گھوڑے اور ایک ہزار سونے کے سکے پیش کیے جبکہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اِس معرکے کے لئے چار ہزار درہم مہیا کیے۔ بے شمار مسلمانوں نے امدادی مہم میں شامل ہونے کی پوری کوشش کی، ان میں سے کوئی کھجوریں لایا تو کسی نے اپنے اونٹ فوجی خدمت کے لیے پیش کیے۔ کسی نے بھی حصہ ڈالنے سے گریز نہیں کیا اور نہ کسی نے بھی ان افراد کی پیش کردہ امداد کی مقدار اور تعداد پر کوئی توجہ دی۔ دولت مندوں کی طرف سے اس طرح شرکت رسول اللہ ﷺ کی بہت سی معاشی سرگرمیوں میں مستقل نظر آتی ہے۔ اسی قسم کی ایک مد میں پاکستان کے مسلمانوں نے 500 ملین روپے سے زیادہ چندہ حالیہ احساس ٹیلی تھون میں دیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ وزیر اعظم عمران خان اور چیف آف آرمی اسٹاف جنرل قمر باجوہ نے پاکستان کے صنعتکاروں (جو برآمدات کے ذمہ دار ہیں) کو مجبور کیا کہ وہ آئی ایم ایف

پالیسی کے تحت ٹیکس ادا کریں تاکہ 79٪ سودی ادائیگی ممکن ہوسکے، لیکن یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ مقامی قرض داروں سے ریاست کے اندرونی سودی قرضے معاف کرنے کی درخواست کی جائے۔

اسلامی معاشی نظام کا ایک اور منفرد پہلو عوامی ملکیت کا تصور ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے: «الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ الْمَاءِ وَالْكَلَإِ وَالنَّارِ مسلمان تین چیزوں میں شراکت دار ہیں: » آگ، پانی اور چراگاہیں۔ پانی، چراگاہیں اور آگ (توانائی)، کا ذکر درحقیقت معاشرے کی ان ضروریات کو بیان کرتا ہے جو پورے معاشرے کے لیے ناگزیر ہیں اور جس کے فائدے کو نجکاری کے ذریعے چند افراد تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تعین کرنے کے لیے کہ کونسی چیزیں عوامی ملکیت ہیں، پیمانہ یہ ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں لوگ اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں۔ لہٰذا پانی، تیل، گیس، معدنی وسائل ایسی چیزیں ہیں جو اس خصوصیت کے مطابق ہیں۔ نجی کمپنیاں جیسے کہ پی پی ایل، ایس ایس جی سی، ایس این جی پی، کے الیکٹرک بھی اس کے ضمرے میں آتی ہیں۔ اختتام پذیر ہونے والے سال 2019 کے متعلق جو اعداد و شمار شائع کیے گئے اس کی بنیاد پر ان نجی کمپنیوں کے مجموعی منافع کا آسان حساب کتاب 400 ارب روپے بنتا ہے جو ملکی خسارے کا 40٪ ہے۔ اوپر بیان کردہ حدیث کے حکم سے، یہ وہ رقم ہے جو بیت المال کے ذریعے امت پر خرچ کرنے کے لئے ہے لیکن یہ چند افراد کی جیب میں چلی جاتی ہے۔ گویا جب ایسے اہم اداروں کی نجکاری کی جاتی ہے جو امت کو فائدہ پہنچانے کے لیے مختص ہونے چاہئیں، تو مالی خسارہ ناگزیر ہوتا ہے۔ جس طرح اسلام ریاست کو افراد کی حفاظت کے

لئے پابند کرتا ہے اسی طرح ایک وسعت پزیر ریاست ہونے کے ناطے اسلام ریاست کی حفاظت کے لیے جہاد کو تمام معاشرے پر فرض قرار دیتا ہے۔ جہاں اسلام نے اسے جہاد کے طور پر بیان کیا ہے، مغربی سرمایہ دار اقوام اپنی توسیع کی پالیسی کو دفاعی کہہ کر بیان کرتے ہیں۔ جہاد کا فرض جنگی صنعتی ماحول پیدا کرتا ہے۔ یہ جنگی صنعتی ماحول بھاری مشینوں کی صنعت، مقامی سپلائی چین، بیشتر شعبوں میں تحقیق وترقی، تعلیمی اداروں میں اعلیٰ ترین معیار، سافٹ ویئر اور اس سے وابستہ تمام ٹیکنالوجیز میں سبقت حاصل کرنے کو جنم دیتا ہے۔ چونکہ یہ سب مقامی ترقی اور نشوونما کے لئے ہے اسی لیے یہ ایک دائمی طلب کی بنیاد پر معیشت کو کھڑا کرے گا جس کے لیے درآمدات اور برآمدات معاون ثابت ہوں گی نہ کہ ان کا متبادل۔ اسے قائم کرنے کی قابلیت پاکستان کے قیام سے ہی موجود ہے، لیکن جمہوری حکومتوں نے اسے منظم طریقے سے کمزور کرنے کی کوشش کی، جن کی معاشی قانون سازی اپنے مفاد کو پورا کرنے کے لیے تھی،اور پھر 1988 کے بعد سے یہ کام ورلڈ بینک، آئی ایم ایف اور مغرب کے مفاد کو پورا کرنے کے لیے کیا گیا۔ بیش بہا انسانی وسائل کا بڑے پیمانے پر ضیاع ہوا، جو صرف اسی صورت کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں جب نظام انہیں مواقع فراہم کرے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ملک کو درپیش معاشی اور دیگر مسائل کی وجہ محض خراب حکمرانی نہیں، بلکہ یہ مسائل تو دراصل سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہیں جو کرپٹ جمہوری اشرافیہ کے ذریعے مغرب کو اس قابل بناتا ہے کہ اپنی استعماری پالیسیاں نافذ کرسکے۔ لہذا اس نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر اسے خلافت سے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے، جو اللہ کی نازل کردہ وحی کی بنیاد پر حکمرانی کو قائم کرے

،جو پوری انسانیت کے لیے رحمت کا باعث ہو گی۔

[1] Issues in Pakistan’s Economy, Syed Akbar Zaidi, Page 140

[2] https://tribune.com.pk/story/2214944/2-exports-slip-1b-april/

[3] https://nation.com.pk/13-Apr-2020/pakistan-s-exports-can-contract-by-19-7-percent-if-covid-19-lasts-longer-than-expected-wb

[4] https://tribune.com.pk/story/2215777/2-pakistans-debt-servicing-soars-rs1-9tr/

[5] http://www.finance.gov.pk/survey/chapters_13/12-Population.pdf

[6] https://www.economist.com/open-future/2019/07/08/if-capitalism-is-broken-maybe-its-fixable

[7] https://www.thenews.com.pk/print/648535-more-steps-can-be-taken-on-interest-rate-state-bank

ختم شد

ورلڈ آرڈر کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر

تحریر: معیز مبین

ورلڈ آرڈر (world order) سے متعلق سوال دراصل اس بات سے منسلک ہے کہ ایک قوم یا معاشرہ اپنے متعلق کیا رائے رکھتا ہے۔ وہ معاشرہ اپنے آپ کو کیسے دیکھتا ہے؟ اس معاشرے کا مقصد کیا ہے؟ اس معاشرے کی پہچان کیا ہے؟ اور اس کی اپنے بارے میں رائے کا دنیا میں موجود دوسرے معاشروں اور تعلقات سے کیا تعلق ہے؟ لہٰذا ورلڈ آرڈر کی جستجو دراصل ایک قوم یا معاشرے کی دنیا میں موجود دیگر اقوام اور معاشروں سے ایسا تعلق بنانے کی جستجو ہے جو اس قوم یا معاشرے کے اپنے تشخص کو مضبوط کرے۔ اسی لیے کسی بھی دور میں ورلڈ آرڈر کی شکل، فطرت یا معیار اس وقت کی طاقتور ترین قوم کے فکری رجحانات، مفادات اور جذبات کا براہِ راست نتیجہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ زیادہ مناسب ہے کہ ورلڈ آرڈر کو عالمی طاقتوں کے درمیان رسہ کشی کے نتیجے کے طور پر دیکھا جائے جہاں ہر قوم یا معاشرہ دوسروں پر اپنے اس نقطہ نظر کو ثبت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ مختلف معاشروں کے درمیان تعلقات کیسے منظم کیے جائیں۔ مختلف اقوام یا معاشروں کے درمیان تعلقات کا حتمی ڈھانچہ کیا بنتا ہے، یہ اس مقابلے میں شامل طاقتور ترین اقوام کی طاقت اور اثر ورسوخ کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ اسی لیے ورلڈ آرڈر کے قیام سے متعلق سوال کے جواب میں احتیاط برتنا لازم ہے۔ ورلڈ آرڈر ایسا نہیں ہے اور نہ ہی اس کی تعریف ایسے کرنی چاہیے کہ یہ ایک مستقل طور پر مستحکم اداروں کے ذریعے دنیا کے مختلف معاشروں کے درمیان تعلقات کو

منظم کرنے کا طریقہ کار ہے، کیونکہ یہ زاویہ عالمی تعلقات کی سمجھ سے عاری ہے اور ملکی اور عالمی معاشرے میں فرق نہیں کرتا۔

جو امر ملکی اور عالمی معاشروں میں فرق کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ملکی معاشرے میں تعلقات کی نوعیت میں مستقل مزاجی ہوتی ہے جو عالمی تعلقات میں نہیں ہوتی۔ چونکہ ملکی معاشرے کے اجزاء کے درمیان مستقل تعلقات ہوتے ہیں، لہٰذا معاشرے کے یہ اجزاء اپنے ان مستقل تعلقات کو منظم کرنے کیلئے تصورات، اعتقادات اور پیمانے مرتب کرتے ہیں اور جب ان تعلقات کی تنظیم سے متعلق اتفاق ہو جائے تو ملکی معاشرہ ایک حکمران یا اہلِ اقتدار کو مقرر کرتا ہے جو معاشرے کے مستقل تعلقات کو ان تصورات، اعتقادات اور پیمانے کے مطابق منظم کرے، جو معاشرہ ان تعلقات کے بارے میں رکھتا ہے۔ یہ توجہ طلب ہے کہ ملکی معاشرے کی فکری تبدیلی کے نتیجے میں جو چیز تبدیل ہوتی ہے وہ اس معاشرے کے اجزاء کے درمیان تعلقات کو منظم کرنے والے تصورات، اعتقادات اور پیمانے ہیں، نہ کہ ملکی معاشرے کے لوگوں کے درمیان تعلقات کا مستقل ہونا۔ تعلقات کا مستقل ہونا ملکی معاشرے کے انتظام کے لیے مستقل و غیر عارضی ڈھانچے کو بیان کرتا ہے جو افراد، معاشرے میں موجود تعلقات سے متعلق غالب افکار اور جذبات پر اور اس اقتدار پر مشتمل ہے جو معاشرے کے غالب تصورات اور اعتقادات کے مطابق ان تعلقات کو منظم کرتا ہے۔ عالمی معاشرے کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ مختلف معاشروں کے درمیان تعلقات سے متعلق کچھ بھی مستقل نہیں۔ مختلف معاشروں کے درمیان تعلقات انفرادی ریاستوں کے نقطۂ نظر پر منحصر ہیں کہ وہ ریاستیں اپنے آپ کو اور نتیجتاً دنیا سے اپنے تعلقات کو کیسے دیکھتی ہیں۔ لہٰذا

عالمی تعلقات کی نوعیت سے متعلق دنیا کی مختلف اقوام میں کوئی اتفاقِ رائے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا فطری طور پر اگر اقوام کے درمیان کوئی مستقل تعلقات موجود نہیں تو مختلف معاشروں کے درمیان عالمی تعلقات منظم کرنے کیلئے کسی اقتدار کی بھی ضرورت نہیں۔ لہٰذا مستقل اداروں کے ذریعے ریاستوں کے درمیان منظم تعلقات پر مبنی ایک ورلڈ آرڈر کی جستجو ایک سراب ہے۔ یہ تو دراصل مغرب کا ایک فکری (آئیڈیالوجیکل) نقطۂ نظر اور دنیا کے امور کو منظم کرنے کے بارے میں اس کا مخصوص زاویہ ہے۔ بہرحال یہ ممکن ہے کہ ایک قوم کے باقی دنیا کے ساتھ تعلق کو استوار کرنے کے عمل میں کسی حد تک مستقل مزاجی اور استقامت کا مشاہدہ کیا جا سکے اگر وہ قوم باقی دنیا سے اپنا تعلق منظم کرنے میں ایک مستقل، جامد اور غیر لچکدار طریقے کو استعمال کرتی ہے۔ اس نوعیت کا مستقل نقطۂ نظر آئیڈیالوجی پر مبنی اقوام اختیار کرتی ہیں جو عالمی تعلقات چلانے کیلئے ایک مستقل طریقہ کار اپناتی ہیں لیکن نقطۂ نظر کی یہ استقامت اس قوم کی اندرونی تنظیم، زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر اور اپنے بارے میں خود اپنی رائے اور امیج سے نکلتی ہے، یہ امر بذاتِ خود ہی دنیا کو منظم تعلقات کے کسی مخصوص ڈھانچے میں نہیں ڈھالتا۔ دنیا کی مختلف اقوام کے تعلقات کے درمیان ایک مستقل پَن صرف تب ہی نظر آ سکتا ہے جب خارجہ تعلقات کی طرف ایک مستقل نقطۂ نظر رکھنے والی آئیڈیالوجی پر مبنی قوم دنیا کی سب سے بااثر قوم بن کر غالب ہو جائے جو پھر اپنی طاقت اور اثرورسوخ کو اس لیے استعمال کرے کہ دنیا کی مختلف اقوام کے درمیان تعلقات کو منظم کرنے کے بارے میں اپنے مخصوص نقطہ نظر پر دنیا کو مجبور کر سکے۔

مغربی ورلڈ آڈر کے نظریہ کے مطابق عالمی تعلقات میں مستقل مزاجی ہونی چاہیے یعنی یہ تعلقات مغربی نقطۂ نظر کے مطابق ہونے چاہیے۔ ورلڈ آڈر کے مغربی تصور کی بنیادی سوچ ویسٹ فیلیWestphalian خود مختاری کا تصور ہے جسے یورپ کی آپس میں لڑنے والی اقوام نے 1648 میں جرمنی کی ریاست ویسٹ فیلیا میں مرتب کیا تھا۔ ویسٹ فیلیا میں ریاستوں کو اس چرچ سے آزاد سیاسی اکائیوں کے طور پر تسلیم کیا گیا جن عیسائی چرچوں سے وہ وابستہ تھیں۔ عیسائی دنیا نے آپس میں امن پر اتفاق کیا جس نے یورپ میں موجود فرقہ وارانہ جنگوں کا خاتمہ کیا اور ریاست کے تصور کو علاقائی سرحدوں میں قید کر دیا گیا، وہ اقوام کہ جن کی جڑیں نسلی بنیادوں پر ایک معاشرے کے تاریخی وجود میں تھیں یا کچھ مخصوص جغرافیائی حدود میں تھیں۔ لہٰذا عالمی تعلقات اب کچھ حد تک مستقل مزاجی کی بنیاد پر استوار کیے جائیں گے جن میں اولین بنیاد یہ ہے کہ ریاستوں کی جغرافیائی سرحدوں کا احترام لازمی ہو گا، یوں ایک معاشرے کا تشخص ایک قوم کے طور پر ہو گا جس کی جڑیں کسی خاص یا کچھ مخصوص نسلوں میں یا پھر کسی مخصوص جغرافیائی حدود میں موجود لوگوں میں ہیں اور کسی قوم کے اس حق کا احترام اور تحفظ کیا جائے گا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی فکری سمت کا تعین کر سکتی ہے۔ بجائے یہ کہ ریاستیں خارجہ تعلقات اس نقطۂ نظر کے مطابق چلائیں کہ جو وہ ان تعلقات کے بارے میں رکھتی ہیں، ریاستوں پر یہ لازم کیا گیا کہ وہ مندرجہ بالا اصولوں کی بنیاد پر خارجہ پالیسی چلائیں جس نے ایسے ورلڈ آرڈر کی بنیاد رکھی جو عالمی تعلقات کو مندرجہ بالا اصولوں کی بنیاد پر استوار کرے گا۔ وہ فطری سوال جس نے عالمی تعلقات کے اس نظریہ سے جنم لیا وہ یہ تھا کہ اگر ایک یا متعدد ریاستیں اپنے خارجہ تعلقات میں مندرجہ بالا اصولوں پر عملدرآمد سے انکار

کریں تو کیا ہو گا؟ یہ متفقہ فیصلہ کیا گیا کہ ایسی صورتحال میں اتحادی ریاستیں اپنی طاقت کے استعمال کے ذریعے منکر ریاست یا ریاستوں کو ویسٹ فیلیا کے امن معاہدے میں متفق اصولوں پر رجوع کرنے پر مجبور کریں گی۔ لہٰذا عالمی تعلقات میں کچھ اصولوں کی بنیاد پر مستقل مزاجی کی جستجو ایک عالمی اقتدار کی ضرورت کو جنم دیتی ہے جو یہ یقین دہانی کرے کہ یہ مستقل مزاجی موجود رہے اور ان اصولوں پر عملدرآمد ہوتا رہے۔ ریاستوں کے اتحاد کی طاقت کے بل بوتے پر ریاستوں پر ویسٹ فیلی امن معاہدے کے اصولوں کے التزام کی یقین دہانی کو 'طاقت کے توازن' (Balance of Power) کے تصور کے طور پر دیکھا گیا، جو دورِ جدید کے ورلڈ آرڈر کے بنیادی اصولوں میں سے ہے جس کا پہلے یورپ اور پھر امریکہ بھی علمبردار بن گیا اور جسے ورلڈ آرڈر کا ویسٹ فیلی تصور کہا جا سکتا ہے۔ 1814-1815 میں منعقد ہونے والی ویانا کانفرنس کا مقصد یورپ میں طاقت کے توازن کو قبل از نپولین کے توازن پر واپس لے جانا تھا جہاں برطانیہ، آسٹریا، پروشیا اور روس نے فرانس کے پھیلاؤ سے متعلق ارادوں کو قابو میں رکھنے کیلئے ایک اتحاد بنایا، پس کچھ جغرافیائی سیاسی تبدیلیاں کی گئیں جیسا کہ متعدد جرمن ریاستوں کو ایک مضبوط ریاست بنانے کیلئے پروشیا میں جوڑ دیا گیا تاکہ وہ براعظم یورپ میں موجود فرانسیسی طاقت کو قابو میں رکھ سکے۔ یورپی ہم آہنگی (The concert of Europe) دو ادوار میں یورپ میں موجود طاقت کے توازن کی عکاسی کرتا ہے۔ یورپی ہم آہنگی کا پہلا دور 1815 سے 1860 کے عشرے تک محیط ہے جب کہ دوسرا دور 1880 کے عشرے سے 1914 تک پھیلا ہوا ہے۔ یورپی ہم آہنگی کے پہلے دور میں یورپ میں پانچ طاقتیں حاوی تھیں: آسٹریا، فرانس، پروشیا، رشیا اور برطانیہ۔ یورپ میں طاقت کے توازن کو

برقرار رکھنے کے پیش نظر، فرانس، برطانیہ اور روس نے جنگِ عظیم اول میں جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا جب جرمنی نے روس کے خلاف جنگ شروع کی، جس کا نتیجہ پہلی جنگِ عظیم کی شکل میں نکلا۔ اور یہ یوریشیا میں طاقت کے توازن ہی کو اپنی پہلی حالت پر برقرار رکھنے کا مقصد تھا کہ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور سوویت روس نے جرمنی، اٹلی اور جاپان کے خلاف دوسری جنگِ عظیم میں ایک ریاستی اتحاد بنایا تاکہ ان کے پھیلاؤ کو روک سکیں۔ پھر یورپی ریاستوں اور امریکہ کا یورپ میں نیٹو (NATO) بنانا سوویت پھیلاؤ اور بعد کے روس کے خلاف یورپ میں طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے کیلئے تھا۔

اصل میں طاقت کے توازن کا تصور براعظم یورپ میں طاقت کی تقسیم کی حقیقت پسندانہ عکاسی کرتا تھا۔ یورپ میں کوئی بھی طاقت اتنی طاقتور نہ تھی کہ اکیلی ہی پورے یورپ پر حاوی ہوتی۔ اگرچہ مختلف مواقع پر مختلف طاقتیں دیگر طاقتوں پر انفرادی تنازعات میں حاوی رہیں لیکن طاقتوں کے اتحاد کے مقابلے میں کوئی بھی مکمل طور پر حاوی نہ ہو سکا۔ یورپی طاقتوں کی یہی حقیقت تھی کہ جسے طاقت کے توازن کے ایک عملی تصور میں ترتیب دیا گیا جسے پہلے ایک یورپی اور بعد میں عالمی ورلڈ آرڈر کو قائم رکھنے اور منظم کرنے کیلئے استعمال کیا گیا۔

ویسٹ فیلیWestphalian خودمختاری کی سوچ ایک سخت گیر تصور نہ تھا کہ جو ریاستی سرحدوں کی ناقابلِ تبدیل حدود و قیود طے کرے بلکہ یہ دراصل ان عظیم طاقتوں کے ارادوں پر موجود ایک روک تھی، جن عظیم ریاستوں کے پاس اپنی اور دیگر ریاستوں کی علاقائی سرحدوں میں ردوبدل کرنے کی صلاحیت، جذبہ اور ارادہ موجود تھا۔ لہذا بنیادی طور پر ویسٹ فیلی خودمختاری

کی سوچ اور اس سے جڑا ہوا طاقت کے توازن کا تصور عالمی طاقت کو ایک دور میں پائی جانے والی عظیم طاقتوں میں تقسیم کرتا ہے، نہ کہ لازمی طور پر ان کی علاقائی سرحدوں اور سلطنتوں کے عملی پھیلاؤ پر کوئی سخت رکاوٹ کھڑی کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ روس نے پچھلی چاروں صدیوں میں مسلسل اپنی علاقائی سرحدیں پھیلائیں، جرمنی نے انیسویں صدی کے اوائل اور اواخر میں سرحدیں پھیلائیں جبکہ فرانس اور برطانیہ نے 17 ویں صدی سے افریقہ، ایشیاء اور امریکہ میں مسلسل اپنی استعماری سلطنتیں پھیلائیں جبکہ امریکہ انیسویں صدی کے بیشتر دور میں اپنے علاقے کو مسلسل پھیلاتا رہا۔ یہ تمام پھیلاؤ اس وقت تک قابلِ قبول تھا جب تک دیگر عظیم ریاستیں اس پھیلاؤ کو اپنے بنیادی مقاصد کیلئے خطرہ نہ سمجھیں۔ پھر جنگِ عظیم دوئم کے بعد امریکہ نے ریاستوں کی سرحدوں کے احترام کو سنجیدگی سے لیا جب اس نے سوویت یونین کو چیلنج کرتے ہوئے مشرقی یورپ اور وسطی ایشیا میں اس کے پھیلاؤ کو روکنے کی کوشش کی۔ لہٰذا ویسٹ فیلی خودمختاری کی سوچ اور اس سے جنم لینے والا طاقت کے توازن کا تصور اس انداز کو مستقل بنانا چاہتا ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں کو کیسے سنبھالا اور ترتیب دیا جائے گا اور عالمی سطح پر طاقت کی تقسیم کس طرح کی جائے گی۔ عالمی تعلقات کا ایسے منظم ہونا تاریخ کے دھارے کا فطری و لازمی نتیجہ نہیں بلکہ یہ عالمی تعلقات کو تعلقات کی تنظیم کے بارے میں مغربی نقطۂ نظر کے سانچے میں ڈھالنے کی دانستہ کوشش ہے۔

مغربی یورپ میں نمودار ہونے والی عالمی معاملات کو منظم کرنے کی مغربی یورپی سوچ کے طور پر ویسٹ فیلی خودمختاری کی سوچ بھی مغربی تہذیب کے کئی زاویوں کی طرح، جیسے پہلے بیان ہوا، اس مقصد کو حاصل کرتی ہے کہ عالمی طاقت کی تقسیم کی موجودہ حالت کو منجمد کر کے ایسے ہی

برقرار رکھا جائے۔اس مقصد کے حصول کیلئے خود مختاری کے اس تصور کو استعمال کیا گیا جو ایسے معاشرے میں پیوست تھا جو نسلی اعتبار سے ایک تھا یا ایک معاشرہ جو تاریخی طور پر متحد تھا اور ایک لمبے عرصے سے مخصوص جغرافیائی علاقے میں آباد تھا۔جیسے کہ بیان ہوا کہ ویسٹ فیلی خود مختاری کو معاشروں کی داخلی تنظیم کے تصور کے طور پر نہیں لیا گیا بلکہ اس تصور کو ویسٹ فیلیا امن معاہدے کے وقت یورپ میں موجود طاقت کی تقسیم اور جغرافیائی سیاسی حقیقت کی بنیاد پر مرتب کیا گیا۔جب یورپی اقوام کا زوال ہوا اور امریکہ اور سوویت یونین نے دنیا کی باگ دوڑ سنبھالی تو انھوں نے عالمی معاملات میں یورپی اثر کم کرنے کیلئے کالونیوں کے خاتمے کیلئے زور لگایا۔کالونیوں کے خاتمے کی اس مہم کے نتیجے میں دنیا میں درجنوں نئی ریاستیں آزاد ہو کر وجود میں آئیں جنہوں نے ویسٹ فیلی خود مختاری کے ماحول میں آنکھ کھولی۔عالمی معاملات کو منظم کرنے میں یہ ویسٹ فیلی خود مختاری کا سب سے زبردست اثر تھا جبکہ دوسرا بڑا اثر 1916ء میں سائیکس پائیکاٹ معاہدے Sykes-Picot Agreement کے بعد سابقہ خلافت کے علاقوں کو قومی ریاستوں کی شکل دینا تھا۔ویسٹ فیلی خود مختاری کی سوچ کو معاشروں کی اندرونی تشکیل تک وسعت دی گئی جہاں دنیا کے مختلف حصوں میں نئے معاشرے تشکیل دیے گئے جن کی بنیاد معاشرے میں کسی مخصوص نسل یا نسلوں کا موجود ہونا تھا جنھیں جوڑ کر نیا معاشرہ تشکیل دے دیا گیا۔لہٰذا معاشرے کی یہ تشکیل ہمیشہ فطری نہیں تھی حتیٰ کہ نئے معاشروں کی بھی جنھیں ایک ہی رنگ و نسل میں سے کاٹ کر علیحدہ بنایا گیا۔مشترکہ نسل کی بنیاد پر شناخت کا ہی ربط واحد ربط نہیں اور نہ ہی یہ مضبوط ترین ربط ہے جو معاشرے کو جوڑے رکھتا ہے۔معاشرہ ایک لمبے عرصے سے ساتھ رہنے والے

افراد کے درمیان مستقل تعلقات کے بارے میں ایک وسیع تر تصور ہے۔ تعلقات میں یہ مستقل مزاجی جو ان متعدد تعلقات پر پھیلی ہوتی ہے جو فطری طور پر ایک لمبا عرصہ ساتھ رہنے کے بعد پیدا ہو جاتے ہیں، اور وہ اس معاشرے کو اس بات کی طرف دھکیلتے ہیں کہ معاشرہ ایسے تصورات، اعتقادات اور پیمانے ترتیب دے جو ان تعلقات کو منظم کریں اور بالآخر ایک اقتدار مقرر کیا جائے جو اس معاشرے کے اعتقادات کے مطابق اس پر حکومت کرے۔ ویسٹ فیلی خود مختاری کی سوچ پر پیدا ہونے والی کئی نئی ریاستوں میں معاشروں کے بارے میں یہ وسیع ترین اور تاریخ میں پیوست تصور موجود نہیں تھا۔ ان نئے معاشروں کو باہم مربوط رکھنے کیلئے ایک طاقتور آئیڈیالوجی کی عدم موجودگی اور قدیم عرصے سے موجود تعلقات کو مستقل رکھنے کیلئے تاریخ کے تسلسل وزن کی عدم موجودگی کی وجہ سے زیادہ تر نئی قومی ریاستیں کمزور تھیں اور کئی ممالک کے معاملے میں بالکل غیر فطری تھیں۔ علاوہ ازیں، کچھ نئے معاشروں کیلئے تاریخ ان کے معاملات کے خلاف بر سرِپیکار تھی۔ ان میں سے زیادہ تر معاشروں کا خود مختاری کا کوئی تجربہ نہیں تھا اور ماضی میں ان پر ہمسایہ سلطنتیں یا عظیم طاقتیں حکومت کرتی تھیں یا مقامی خود مختاری والے علاقے عظیم طاقتوں کی انتظامیہ کے نیچے صوبے تھے یا ان کی سرحد پر تھے۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے آزادانہ حکومت کی بھی تو خارجہ اور دفاعی پالیسیوں کا صفر یا پھر نہ ہونے کے برابر تجربہ ہی حاصل کیا۔ ان میں سے کچھ نئے معاشروں کا اپنے آپ پر حکومت کرنے کا کوئی تجربہ نہ تھا اور ان پر ان کے وقتوں کی عظیم طاقتیں ہی حکومت کرتی رہیں یا پھر انھوں نے عظیم طاقتوں کے پھیلاؤ کے ارادوں تلے ایک لمبے عرصے رہنے کی وجہ سے اپنی حکومت کرنے کی صلاحیت کھو دی۔ لہٰذا یہ حیران کن نہیں تھا کہ یہ نئی قومی

ریاستیں کمزور تھیں جنھیں حکومت اور انتظامیہ چلانے سے متعلق شدید مسائل لاحق تھے۔ اکثر ریاستوں نے محض استعماری یا عظیم سلطنتوں کے انتظامی ڈھانچوں ہی کو چلایا اور کبھی بھی حکومت اور انتظامیہ کیلئے اپنے اور خالص طریقہ کار وضع نہ کر سکیں۔

لہٰذا آج ناکام ریاستوں اور تیسری دنیا کی ترقی پذیر ریاستوں کا جو معاملہ دنیا کے سامنے ہے دراصل ویسٹ فیلی خود مختاری کی سوچ کی عالمگیریت اور ویسٹ فیلی تصور کی بنیاد پر عالمی تعلقات میں مستقل مزاجی پر مغرب کے اصرار کا براہِ راست نتیجہ ہے۔اس کی وجہ سے ان نئی قومی ریاستوں میں لاکھوں لوگ تکالیف اور مایوسی سے دوچار ہوئے ہیں جن ریاستوں کو نیا کہہ کر بنایا گیا جو دراصل زیادہ تر مصنوعی معاشرے تھے۔یہ بھی حیران کن نہیں کہ ان میں سے کئی ریاستیں داخلی اتحاد و یگانگت کے مسائل کا شکار ہیں جن کی وجہ انہی میں بکھری ہوئی چھوٹی مگر منظم اور مضبوط قومیتوں کے چیلنج ہیں جو ویسٹ فیلی تصور کے مطابق نسلی بنیاد پر اپنی مادری ریاستوں سے آزادی چاہتی ہیں۔ دورِ جدید کی ریاستیں آج تک اپنی منظم ریاستی پالیسیوں کے ذریعے ایک قومیت کے وسیع تر تصور کو پروان چڑھا رہی ہیں جو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ آخر ایک ایسی ریاست کے قیام کا کیا مقصد ہے جو اپنے قیام کے بعد بھی اپنے محکوم معاشرے کو ایک مقصد دینے کی کوشش کر رہی ہے اور کبھی کبھی تو یہ وسیع تر قومیت کو پروان چڑھا کر معاشرے کو یکجا کرنے کی کوشش ریاست کے قیام کے بعد دہائیوں تک بغیر کسی خاطر خواہ کامیابی کے جاری رہتی ہے۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں آج کمزور اور ناکام ریاستوں کی موجودگی دنیا کے معاملات پر عظیم طاقتوں کی

گرفت کو مزید مضبوط کرتی ہے اور عظیم طاقتوں کے درمیان عالمی طاقت کی تقسیم کو مستحکم کرتی ہے، جو ویسٹ فیلیا کے معاہدے کا اصل خواب تھا۔

عصرِ حاضر کی عالمی صورتحال اور وہ عظیم طاقتیں جو اس صورتحال کو شکل دیتی ہیں، ان پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کی سب سے موئثر اور اثرورسوخ کی حامل عظیم طاقتیں ماضی میں ایک طویل عرصے سے ایک واحد معاشرے کے طور پر موجود رہی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بااثر ریاستوں کی ایک انتہائی قلیل تعداد ہی ہے جو عالمی صورتحال پر اثرانداز ہوتیں ہیں۔ آج کے کئی جغرافیائی سیاست geopolitics کے اہم سوالات جو کہ عالمی معاملات کے عالمی انتظام اور عظیم طاقتوں کی رسہ کشی کے لحاظ سے انتہائی اہم ہیں دراصل انہی قدیم معاشروں کی تاریخ اور مقاصد میں پیوست ہیں۔ امریکہ دنیا پر فوقیت و سبقت قائم رکھنے کی کوشش میں اسی امر کو بنیاد بناتا ہے کہ کوئی بھی طاقت یورپ اور ایشیا کے ملحقہ علاقے یعنی یوریشیا کو کنٹرول کیے بغیر دنیا کو قابو میں نہیں کر سکتی۔ لہٰذا امریکہ نے دنیا کے مختلف خطوں میں موجود قدیم جغرافیائی سیاسی (جیو پولیٹیکل) سوالات کا حل پیش کیا اور ان چیلنجوں کے مخصوص حل کے ذریعے امریکہ نے دنیا میں اپنے غلبے کو یقینی بنایا۔ یورپ میں امریکہ نے جنگ سے بچاؤ اور بیشتر یورپی ریاستوں کے درمیان علاقائی سیاسی مقابلے کے روک تھام کی کوشش کی، ان ریاستوں میں جرمنی اور فرانس پیش پیش ہیں، اس کیلئے ان ریاستوں کو نیٹو (NATO) کے ذریعے تحفظ دے کر ان کے دفاعی اخراجات کو کم اور فوجی ارادوں کو کمزور کر دیا۔ امریکہ نے جان بوجھ کر ان تاریخی اور قدیم معاشروں کی توانائیوں کو یورپی یونین کے قیام کے ذریعے اقتصادی ترقی میں مشغول کر دیا تاکہ وہ

اپنے علاقائی سیاسی مقاصد بھول جائیں۔اسی طرح امریکہ اُس روس کو بھی محدود کرنا چاہتا ہے جو مسلسل چار صدیوں تک پھیلتا رہا ہے اور اس نے ماضی میں فوج کشی اور فتوحات کے ذریعے عظیم طاقت کا مقام اور مرتبہ حاصل کیا۔لہٰذا نیٹو(NATO) اور یورپی یونین کا قیام امریکہ کیلئے بیک وقت دو مقاصد حاصل کرتا ہے، یعنی یورپ کی طاقتوں کو محدود کرنا اور یورپ میں طاقت کے توازن کو برقرار رکھ کے روس کے پھیلاؤ کے عزائم کو روکنا۔یوریشیا کے مشرق بعید میں جنگجو جاپان اور ہمسایوں کے ساتھ اس کے تعلقات تاریخی جغرافیائی سیاسی (جیو پولیٹیکل) چیلنج رہے ہیں اور اس کے ساتھ ایک انتہائی قدیم چینی معاشرہ بھی جو اپنی تہذیب پر فخر اور ناز کرتا ہے۔امریکہ مشرق بعید کو جاپان کے ساتھ ایک فوجی معاہدے سے منظم کرنا چاہتا ہے جو جاپان کی جنگی فطرت کو قابو کرے اور جاپانی توانائی کو معاشی ترقی کی سمت موڑے۔جاپان اور کوریا دونوں میں اپنی فوجی موجودگی کے ساتھ امریکہ مشرق بعید میں طاقت کا توازن برقرار رکھنا چاہتا ہے تاکہ اٹھتے ہوئے چین کو منظم کرکے اسے عالمی طاقت بننے سے روک سکے۔یوریشیا کی جنوبی سمت یعنی خلیج فارس میں امریکہ اپنی فوجوں کی موجودگی سے علاقے کے توانائی کے وسائل پر اپنا کنٹرول رکھنا چاہتا ہے اور مسلم دنیا کے وسیع و عریض سیاسی علاقے پر اسلامی ریاست کے قیام کو روکنا چاہتا ہے۔دوسرے علاقوں کی طرح یہاں بھی امریکہ اس عمل میں علاقے کی تاریخ سے اور ماضی میں خطے کے سیاسی علاقائی چیلنجوں سے اچھی طرح واقف ہے۔یہی وہ علاقہ تھا جہاں اسلامی ریاست موجود تھی، جس کی حکومت تلے موجود صدیوں پرانے معاشرے کو بکھیر دیا گیا اور اسے اوپر ذکر کی گئی درجنوں نئی ویسٹ فیلی قومی ریاستوں سے تبدیل کر دیا گیا۔تاریخ اور قدیم وحدت پر مبنی معاشروں کی لچک اور

زور کا ڈر ہی وہ عنصر ہے جن نے امریکہ اور مغرب کو مسلسل مجبور کیا کہ وہ مشرق وسطیٰ اور وسیع تر مسلم دنیا کو ایک سیاسی جغرافیائی چیلنج کے طور پر لیں، جس میں یہ صلاحیت ہے کہ عالمی ورلڈ آرڈر کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دے۔

معاشروں کی تاریخ ان کے عالمی اثرورسوخ کے تعین میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر معاشرے میں ایک مضبوط فکر نہ ہو جو بنیاد سے مکمل اور جامع طور پر معاشرے کے تشخص کو تبدیل کر دے اور جو معاشرے میں موجود مستقل تعلقات کی تنظیم کو تبدیل کر دے تو انسانی معاشرے عالمی مقام اور اثرورسوخ کے حصول کے عزائم اور تخلیقی توانائیوں میں تنظیمی صلاحیت اور لچک کیلئے اپنی تاریخ پر انحصار کرتے ہیں۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ صرف وحی الٰہی تھی جس نے پہلے یورپی دنیا اور مشرق وسطیٰ کے کچھ علاقوں کو بدل کر رکھ دیا اور پھر اسلام نے معاشروں کو ان کے ماضی کے تشخص کو چھوڑنے اور بالکل نئے تشخص اور زندگی کے مقصد کو اپنانے پر مجبور کیا۔ اگرچہ سوویت یونین نے انسانی دماغ سے تخلیق کردہ ایک نئی آئیڈیالوجی اپنائی جس نے روسی معاشرے کو یکسر تبدیل کر دیا، مگر کمیونیزم ایک بنیادی تصور کے طور پر صرف لینن اور سٹالن کے دور کے سوویت معاشرے میں ہی جذب ہوا۔ نیکیٹا خروشیف کے اقتدار میں آنے سے، جو 1953 میں سٹالن کی وفات کے بعد سوویت یونین کا ایک طاقتور رہنما بنا، سوویت انقلاب کے کچھ عرصہ بعد ہی، سوویت خارجہ پالیسی نے تاریخی روسی خارجہ پالیسی کے اہداف کا اظہار کرنا شروع کر دیا جس کا مقصد اپنے دونوں سابقہ طاقتور قائدین کے طریقے پر کمیونسٹ افکار کی ترویج نہیں تھی بلکہ روسی معاشرے کیلئے اثرورسوخ اور وقار حاصل کرنا تھا۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ کسی بھی معاشرے کی عالمی اثر و رسوخ کی جستجو میں تاریخ کا کردار اہم کیوں ہے، اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ عالمی سطح پر ایک تاریخی بااثر معاشرہ کے طور پر موجود ہونا بذاتِ خود ایک ایسا معاشرہ پیدا کرتا ہے جس میں ایک احساسِ برتری اور اپنی صلاحیت اور قابلیت پر اعتماد ہوتا ہے جو اس معاشرے کے عالمی طاقت بننے کے عزائم کو ترتیب دیتا ہے۔ قومیں عالمی طاقت اس لیے حاصل کرتی ہیں تاکہ دوسروں پر اپنے احساسِ برتری کو ثبت کر سکیں، غیر ملکی سطح پر دولت کا حصول اور وسائل کا استحصال کر سکیں یا پھر ایک آئیڈیالوجی کے بتائے گئے مشن کو پورا کر سکیں۔ دوسری وجہ یہ کہ وہ معاشرے جو قدیم عرصے سے ایک واحد معاشرے کے طور پر ہی موجود ہوتے ہیں وہ ایسے ادارے قائم کر لیتے ہیں جو محض افراد کی اپنی ذہانت یا کوشش پر انحصار نہیں کرتے اور عالمی طاقت اور اثر و رسوخ کے لیے درکار صلاحیتوں کو مضبوط کرتے ہیں جیسے فوجی اور اقتصادی طاقت، ٹیکنالوجی میں جدت اور ایک منفرد ثقافت جو ان معاشروں میں ایک مشن اور مقصد کا احساس پیدا کرتی ہے۔ فوجی مصروفیات کی طویل تاریخ معاشروں میں اکثر جنگجوؤں کی نسل اور ایسی ثقافت پیدا کرتی ہے جو جنگی صلاحیتوں کو اعلیٰ گردانتی ہے اور جنگجوؤں کو مرتبہ و مقام دیتی ہے۔ اسی طرح ایسے معاشرے فوجی سامان کی وسیع صنعت کے حامل ہوتے ہیں۔ طویل عرصے کی خوشحالی اور جدت سے بھرپور تاریخ سیاسی طاقت اور عزائم کا احساس پیدا کرتی ہے، اور اس معاشرے میں کام کا سلیقہ اور صنعتی ثقافت بھی لاتی ہے جو اس معاشرے کی پیداواری طاقت کو مضبوط کرتے ہیں۔ عالمی معاملات میں مسلسل کردار ادا کرنے سے سیاسی رہنماؤں اور مفکرین کا ادارہ بنتا ہے جو آج دنیا کے معاملات منظم کرنے کی کوششوں

میں اپنی صدیوں پرانی سیاسی قابلیت اور مہارت کی تسلسل سے آتی میراث پر انحصار کرسکتے ہیں۔ لیکن شاید کسی معاشرے کیلئے مشن کے تاریخی احساس کا سب سے اہم پہلو وہ ثقافت اور افکار ہیں جو اس مشن، اپنی قابلیت اور معاشرے کی پہچان اور اس کے وجود کی وجہ سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں اس ثقافت کی یہ خوبی بھی ہے کہ یہ اپنی فطرت میں آفاقی ہوتی ہے جو بالآخر ایک معاشرے یا قوم کے عالمی اثرورسوخ کا تعین کرتی ہے اور افکار عالمی طاقت کا اہم ترین جزو ہوتے ہیں لیکن اکثر سب سے غیر اہم سمجھے جاتے ہیں۔ تاریخی طور پر جاپان ایک جنگجو فوجی طاقت اور آج عظیم اقتصادی طاقت ہونے کے باوجود کہ جس کے پاس فوری فوجی تنصیب کی صنعتی صلاحیت ہے، اپنی ثقافتی حدبندیوں کی وجہ سے علاقائی سطح پر اپنی طاقت نہیں دکھا سکتا۔ جاپان بطور ایک یکساں اور قدیم معاشرے کے، جس کی ثقافت جنگی ہیروز کو سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے اور جس کے تختِ حکمرانی پر موجود جاپانی بادشاہوں کو الٰہی طاقتوں کا حامل سمجھا جاتا ہے، کے احساسِ برتری نے اس میں ایک فوجی اور اقتصادی طاقت بننے کی صلاحیت پیدا کردی لیکن دنیا کو اپنی ثقافت قبول کرنے کی غرض سے پیش نہ کرسکنے کے باعث اور دنیا کا اسے قبول نہ کرنے کے امکان کے باعث جاپان کا حتمی سیاسی وعلاقائی اثرورسوخ محدود ہو رہا۔ دنیا کی تاریخ میں سب سے وسیع ترین، ایک ہی ٹکڑے پر مشتمل سلطنت چنگیز خان کی قیادت میں انتہائی مہارت رکھنے والے منگول جنگجوؤں نے قائم کی جس نے اپنے دور کی کئی طاقتور ریاستوں کو ملیامیٹ کر دیا اور جنھیں بالآخر مصر کے مملوک حکمران سیف الدین قطز نے شکست دی جب تاتاری اسلامی ریاست میں تباہی مچا چکے تھے اور بغداد میں عباسی خلیفہ کو قتل کر چکے تھے۔ اگرچہ تاتاریوں کی حکومت ایک انتہائی وسیع و عریض زمین پر پھیلی

ہوئی تھی لیکن کسی منفرد یا اہم ثقافت یا افکار کے نہ ہونے کی وجہ سے، جس کی بنیاد پر وہ منگول سلطنت کی بنیاد کو آفاقی بنا سکتے، منگول سلطنت اور حکومت بالآخر ان علاقوں میں جذب ہو گئی جنھیں اس نے فتح کیا تھا اور جن میں ایک برتر ثقافت کے حامل لوگ آباد تھے۔ لہٰذا منگول سلطنت چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں تقسیم ہو گئی جن میں سے مغربی مملکتوں نے اسلام قبول کر لیا اور وسطی ایشیاء پر چھا گئیں۔ اسلام کے عالمی اثر ورسوخ تک پہنچنے اور صدیوں تک دنیا پر غالب رہنے کے بنیادی اجزاء میں سے ایک جزؤ اس کی بہترین ثقافت تھی جو اس نے دنیا کو پیش کی اور جس کی مدد سے اس نے نئے مفتوحہ علاقوں میں اپنی حکومت کو مستحکم کیا۔ اسی طرح یورپ میں یہ مغربی ثقافت کا پھیلاؤ اور قبولیت ہی تھی جس نے امریکہ کو یورپ میں روسی اثر روکنے میں مدد دی اور بالآخر یورپ پر بااثر ہونے کی دوڑ میں اسے شکست دی۔ اسی طرح یہ مغربی ثقافت کا پھیلاؤ ہی تھا جس نے بشمول اسلامی علاقوں کے دنیا کے بیشتر حصے پر یورپی استعماریت کو مستحکم کیا اور اب جبکہ مسلم علاقوں سے اس ثقافت کا اثر زائل ہو رہا ہے اور برتر اسلامی ثقافت اسلامی علاقوں کی مسلم آبادی پر حاوی آ رہی ہے تو مغرب مسلم علاقوں میں اسلامی ریاست کی واپسی سے خوف کھا رہا ہے۔

عالمی تعلقات کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر عالمی تعلقات کی فطرت اور حقیقت سے قریب تر ہے۔ اسلام کا ہدف یہ نہیں کہ دنیا پر ایک ایسا ورلڈ آرڈر مسلط کیا جائے جو صرف عالمی تعلقات کے نسبتاً مستقل ڈھانچے پر ہی قائم ہو۔ اس تناظر میں اسلام کسی بھی ایسے ورلڈ آرڈر کے تصور کی نفی کرتا ہے جو عالمی تعلقات کے ایک باضابطہ منظم ڈھانچے پر قائم ہو جس کے نتیجے میں آخرکار عالمی ادارے وقوع پذیر ہوں۔ بلکہ اسلام عالمی تعلقات کو اسلامی معاشرے کے ذاتی

تشخص کے فطری نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔ لہٰذا اسلام دنیا کو دارالاسلام اور دارالکفر یا دارالحرب میں تقسیم کرتا ہے۔ عالمی تعلقات کا یہ نقطہ نظر دنیا کو اسلامی معاشرے کے اپنے تشخص کے بارے میں تصور کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اللہ تعالی نے مسلمان قوم کو دعوت کی علَمبر دار امت بننے کی ذمہ داری دی ہے۔ پوری دنیا تک عملی طور پر یہ دعوت نئے معاشروں پر اسلام کی حکومت قائم کر کے پہنچائی جاتی ہے جو صرف اسلام کی زبانی کلامی دعوت ہی وصول نہیں کرتے، جو انھیں فکری طور پر پر کشش لگتی ہے، بلکہ ایک نہایت عملی اور محسوس دعوت وصول کرتے ہیں جب وہ اسلام کے احکامات کو عملی طور پر اپنے معاملات منظم کرتے اور چلاتا ہوا دیکھتے ہیں اور یہ مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ یہ نظام ان حکومتی نظاموں سے بہتر ہے جن کے نیچے وہ پہلے رہتے تھے۔ اس انداز میں اسلام افراد کو ان کی انفرادی حیثیت میں اور ساتھ ہی افراد کو معاشرے کا حصہ ہونے کی حیثیت میں ایک جامع دعوت دیتا ہے۔ لہٰذا اسلام رغبت دلانے کی ایک جامع پالیسی دیتا ہے جو افراد کے جذبات اور اس کی فکری صلاحیتوں کو رغبت دلاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ معاشرے کے جذبات اور غالب افکار کو مخاطب کرتی ہے۔ اور اسلام کی اس جامع دعوت میں اسلام یہ لازمی قرار دیتا ہے کہ دعوت کو وصول کرنے والے لوگ افراد کی حیثیت سے اس نئے دین کو اپنے لیے اختیار کرنے میں مکمل طور پر آزاد اور مرضی کے مالک ہیں۔ لہٰذا اسلام کا دنیا کے بارے میں نقطہ نظر دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، یعنی وہ علاقے جہاں اسلام کی حکمرانی ہے اور وہ علاقے جہاں کفر کی حکمرانی ہے۔ جہاد کے ذریعے اسلام ریاستِ اسلامی کی سرحدوں کو اور نتیجتاً اسلام کی حکمرانی کو نئے علاقوں تک پھیلاتا ہے تاکہ نئے معاشرے اسلام کی حکومت اور اس کی براہِ راست نگہداشت میں

آ جائیں۔ عالمی معاملات کی بارے میں ایسا نقطۂ نظر یہ تقاضا کرتا ہے کہ اسلام عالمی تعلقات میں کسی قسم کی مستقل مزاجی کو صریحاً مسترد کرے۔ لہٰذا نہ تو وہ عالمی طاقت کو دنیا کی عظیم طاقتوں کے درمیان تقسیم کرتا ہے اور نہ ہی عالمی تعلقات میں طاقت کا توازن قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ عالمی اداروں کو مسترد کرتا ہے کیونکہ یہ عالمی تعلقات میں ہر قسم کی مستقل مزاجی کو مسترد کرتا ہے اور اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی معاملات میں دوسری ریاستوں کی بالادستی کو قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا دنیا کی جانب اسلام کی پالیسی جنگ پر مبنی پالیسی ہے۔ جب تک اسلامی ریاست دوسرے معاشروں کو فوجی طور پر چیلنج کرنے اور پھر ان پر اسلامی حکمرانی کو توسیع دینے کیلئے تیار نہیں ہو جاتی، تب تک اسلام عالمی تعلقات کو ریاستوں کے دانستہ طور پر ادا کیے گئے سیاسی اور عسکری اعمال کے طور پر دیکھتا ہے جہاں ریاستیں جبر وزبردستی کے بغیر کوئی بھی یا تمام اعمال انجام دینے کیلئے آزاد ہیں۔ وہ دوطرفہ اور کثیر طرفہ معاہدات کرنے یا ختم کرنے کیلئے آزاد ہیں اور تمام طاقتور یا کمزور بیرونی معاشرے، جب تک کہ وہ آزاد معاشرے ہیں، اپنے اعتقادات اور مفادات کے مطابق عالمی دائرے میں کچھ بھی کرنے کا حق رکھنے کے اعتبار سے برابر ہیں۔ لہٰذا اسلام عالمی تعلقات کو عارضی اور لچکدار دیکھتا ہے جو ٹھوس نہیں ہیں اور کسی لازم عالمی قانون یا عالمی ثقافت یا عالمی معاشرے کا حصہ ہونے کی حیثیت سے لازمی ذمہ داری کے احساس کے بغیر ایک ریاست کے اپنے اعتقادات کی بنیاد پر ہیں۔ لیکن اسلام ایک نسبتاً محدود پیمانے پر اسلامی ریاست کی طرف سے عالمی روایات پر عمل پیرا ہونے کو قبول کرتا ہے جیسے سفیروں کیلئے سفارتی استثناء یا جنگ سے متعلق کچھ روایات وغیرہ، لیکن اسلامی ریاست یا دیگر ریاستوں کی ایسی روایات پر عمل پیرا ہونے کی وجہ

کوئی زبردستی کا عنصر نہیں بلکہ ایک اخلاقی ذمہ داری یا رائے عامہ کی وجہ سے بدنامی کا ڈر ہے ۔اسلامی ریاست دیگر ریاستوں کے ساتھ ایک محدود مدت تک کیلئے امن اور جنگ بندی کے معاہدات طے کرنے کیلئے آزاد ہے بشرطیکہ یہ معاہدات اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں ہوں۔ اسلامی ریاست کیلئے جائز نہیں کہ وہ غیر اسلامی قوانین کے ذریعے حکومت کرنے والی ریاستوں سے عسکری اتحاد قائم کرے کیونکہ مسلمانوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی غیر اسلامی حکومت کیلئے لڑ کر اس کی حفاظت کریں۔اسلام میں جنگ صرف اسلام کی حاکمیت کو قائم کرنے کیلئے ہی ہے۔اسلامی ریاست کیلئے جائز ہے کہ وہ سیاسی اعمال کرے اور دیگر ریاستوں کے ساتھ اچھی ہمسائیگی کی بنیاد پر معاہدات کرے تاکہ وہ اپنی طاقت اور اثرورسوخ کو ان ریاستوں میں ایسے مواقع بنانے کیلئے استعمال کر سکے جو اسلامی دعوت کیلئے ان بیرونی معاشروں میں ایک مثبت رائے عامہ قائم کر سکیں۔لہٰذا عالمی تعلقات کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر دیگر معاشروں تک اسلامی دعوت کو پہچانے کی بنیاد پر ہے،جہاں ان معاشروں کو بذریعہ جہاد اسلامی ریاست کے اختیار اور حکومت تلے ضم کیا جائے اور اگر کسی دوراندیشی یا مجبوری کی وجہ سے اسلامی ریاست ان معاشروں کو اپنی حکومت تلے ضم نہ کر سکے تو ایسے معاشرے آزاد معاشرے تصور کیے جائیں گے جو دانستہ طور پر بغیر کسی جبر کے عالمی تعلقات چلا سکتے ہیں اور اسلامی ریاست ان تمام معاشروں کے ساتھ معاہدات کر سکتی ہے جب تک وہ انہیں اپنے اقتدار کے نیچے ضم کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔

آج مسلم امت نبوت کے طریقے پر خلافت کے دوبارہ قیام کے ذریعے اسلامی تہذیب کا احیاء کرنے کی منفرد پوزیشن میں ہے۔اس کے پاس اسلامی آئیڈیالوجی کا حامل ہونے کے ساتھ

ساتھ اس کی درست سمجھ ہونے کا دہرا فائدہ ہے یعنی بنیادی تبدیلی لانے والے افکار کی موجودگی جنھوں نے ماضی میں اکیلے ہی تاریخ کارخ موڑ دیا۔ یہ امت ہزار سالہ اسلامی حکومت کی شاندار اور مضبوط تاریخ پر فخر کرتی ہے جس میں اس دور کے اداروں کی ایک میراث موجود ہے جو دنیا میں ایک غالب عالمی کردار ادا کرنے کے حق کا دعویٰ کرنے کی صلاحیت کے اعتماد کو بڑھاتی ہے۔ متعدد ادارے جیسے اسلامی فقہ کا ثقافتی ادارہ اور وہ وسیع تر اسلامی ثقافت جس کی مضبوطی اور واپسی نے امت کی آئیڈیالوجی کی سمجھ کو شفاف کر دیا ہے، جہاد کا ادارہ اور انتہائی قلیل وسائل کے ساتھ بھی دشمن سے لڑنے کی خواہش، ایک واحد امت کا حصہ ہونے سے متعلق وحدت پر مبنی اسلامی شناخت کا گہرا اور طاقتور احساس اور آخری نبی اور ہمارے آقا محمد ﷺ کی لائی ہوئی ثقافتِ الٰہی کا حامل ہونے کی وجہ سے امت میں موجود احساسِ برتری، جو مسلم قوم کو انبیاء کے مشن کا وارث ہونے کی وجہ سے دیگر اقوام میں ایک خاص مقام دیتا ہے اور اپنی اس صلاحیت پر خود اعتمادی دیتا ہے کہ وہ اپنی تاریخ اور ماضی قریب میں دشمنوں کے خلاف کامیابیوں کی بنا پر کسی بھی مشکل کا سامنا کر سکتی ہے۔

لیکن ایک صدی سے زائد عرصے تک اسلامی حکومت کی عدم موجودگی نے عالمی غلبے کیلئے سب سے زیادہ ضروری ادارے کو مکمل تباہ کر دیا، یعنی سیاست دانوں اور مفکرین کے ایسے طبقے کی موجودگی جو اسلام کے تاریخی غلبے کے تجربے، مباحثے اور افکار سے جڑے ہوئے ہوں اور جو عالمی معاملات سے متعلق اسلامی ریاست کے مشن کی روشنی میں علاقائی اور عالمی معاملات کا مطالعہ کریں، ان پر غور کریں اور رائے پیش کر سکیں۔ یہ اسلامی سیاست دانوں کے طبقے Islamic

political medium کا کمزور پڑ جانا تھا جس کے باعث عثمانی خلافت کمزور پڑ گئی اور بالآخر تباہ ہو گئی۔ جب استعمار نے مسلم علاقوں میں جڑیں پکڑیں تو اس نے جان بوجھ کر سیاست دانوں اور مفکرین کے اس قدیم طبقے کو مسلم علاقوں میں ہدف بنایا اور اسے مکمل طور پر ختم کر دیا، پھر اس کی جگہ ایسی حکمران اشرافیہ لے آیا جو مغربی تہذیب اور تاریخ کی پیداوار تھی اور جنھوں نے یہ کوشش کی کہ مسلم تاریخ کو ایسے دیکھا اور سمجھا جائے جو مسلم علاقوں میں استعمار کے تسلسل کو فائدہ دے، جس کے نتیجے میں مسلم معاشرہ ایک طویل عرصے کے عالمی غلبے کے تاریخی تجربے اور اعتماد سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ دنیا کی قیادت کرنے والی قوم کی حیثیت سے ہماری تاریخ اور ہماری ثقافت سے ہمیں دور کر دینا شاید مسلم علاقوں میں مغرب کی سب سے بڑی فتح تھی اور صرف آج، جب امت اس دوری کو مٹا کر اپنی جڑوں سے دوبارہ جُڑ چکی ہے، وہ واپس نشاۃِ ثانیہ کے راستے پر مضبوطی سے آچکی ہے۔ لیکن امت ابھی بھی اسلامی سیاست دانوں کے طبقے کی کمی کا شکار ہے اور پے درپے آنے والے اسلامی مدبر سیاست دانوں(statesmen) کی میراث سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہے جو دنیا کے مشکل ترین سیاسی علاقائی چیلنجوں سے متعلق اپنا سیاسی جغرافیائی (جیوپولیٹیکل) تجربہ اور علم آنے والی نسلوں کو سونپیں۔ اس کمی کا جواز سمجھ آتا ہے کیونکہ ریاستِ خلافت کے انہدام کے بعد امت عالمی معاملات میں بطور عالمی کھلاڑی اپنے کردار پر توجہ دینا اور اپنا مشن و مقصد بھول گئی اور اس پر ایسے حکمرانوں کی حکومت آگئی جو مغربی مفادات کے آگے سرنگوں تھے۔ علاوہ ازیں مغرب نے مسلمانوں کی پرانی حکمران اشرافیہ کو ہٹا دیا یا قتل کر دیا۔ صرف ایران یا ترکی میں کچھ پرانی اشرافیہ کچھ حد تک ہی بچ پائی لیکن ان ممالک میں بھی مغربی ثقافت کے زیرِ اثر

مسلمان حکمران اشرافیہ نے عالمی معاملات پر اثر انداز ہونے اور انھیں منظم کرنے کے کردار کو مکمل طور پر چھوڑ دیا جس کے نتیجے میں اسلامی سیاست دانوں کا طبقہ مسلم دنیا سے مکمل طور پر ختم ہو گیا۔ ہم امید اور دعا کرتے ہیں کہ دنیا کے سیاسی واقعات کو سمجھنے کی تفصیلی اور انتھک کوششوں میں اور انھیں اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش میں، حزب التحریر اور اس کے شباب جو عالمی معاملات کی اس سمجھ میں مضبوط ہیں، امتِ مسلمہ کے اہم و مرکزی ادارے کے احیاء کا کام سر انجام دے سکیں گے ،یعنی اسلامی سیاست دانوں کے طبقے (اسلامی پولیٹیکل میڈیم)اور مدبر سیاست دانوں کے ایک گروہ کی حیثیت سے موجود گی، جو جلد ہی قائم ہونے والی اسلامی ریاست کا ستون ثابت ہو تا کہ وہ عالمی معاملات میں اپنا کردار ادا کر سکے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ

"اور اسی طرح ہم نے تمھیں برگزیدہ امت بنایا تا کہ تم انسانیت پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہوں"(البقرة-143)

ختم شد

کیا دنیا میں آنے والی مصیبتیں گناہوں کی سزائیں ہوتی ہیں؟

کرونا وباء کے نتیجے میں اٹھنے والی بحث کے پیشِ نظر الوعی میگزین کے شمارہ نمبر 150،

رجب 1420 ہجری، بمطابق نومبر 1999 کے آرٹیکل کا ترجمہ

17 اگست 1999ء کو جب ترکی میں شدید زلزلہ آیا تھا اور پھر اس کے بعد پے در پے مختلف جگہوں پر ہولناک اور تباہ کن قسم کے زلزلے ہونے لگے تھے تو اس وقت لوگ یہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے کفر، گناہوں اور بدکاریوں کے سبب اس قسم کے مصائب نازل کرتا ہے۔ جبکہ کچھ لوگ ان مصائب کی خالص مادی توجیہ کرتے نظر آتے ہیں، ان کے نزدیک لوگوں کے گناہوں اور کائنات میں پیش آنے والی قدرتی آفات کے درمیان ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ اس مختصر مضمون میں ہماری کوشش ہوگی کہ اس حوالے سے درست تصور کو واضح کر کے پیش کریں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور درست بات کہنے کی دعا کرتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ ہاد دہانی ضروری ہے کہ تمام اجرام سمیت یہ کائنات مخلوق ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے، اور اسے ایسے قوانین کا تابع بنایا ہے جن میں کبھی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، سوائے یہ کہ جب اللہ تعالیٰ ان قوانین میں تبدیلی کرنا چاہے، اور یہ استثنائی صورت ہوتی ہے۔ یہ بات ہمیں انبیاء کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے معجزات میں نظر آتی ہے۔ (یعنی وہ عام قوانینِ قدرت کے خلاف واقع ہونے والا امر ہوتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی اپنی اپنی فطرتیں

اور خاصیتیں پیدا کی ہیں، یہ مخلوقات انہی طبیعتوں اور خاصیتوں کے مطابق رواں دواں رہتی ہیں ،ان سے بال برابر بھی نکلتی نہیں۔

اور اللہ سبحانہ کا علم تمام مخلوقات کو ان کی پیدائش سے پہلے محیط ہے،یعنی وہ تمام مخلوقات کو گھیرے ہوئے ہے، اس کا علم کلیات و جزئیات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر زمان ومکان کے لیے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا ایک اندازہ مقرر کیا ہے: **لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ**(سورۃ سبأ :3)"کوئی ذرہ برابر چیز اُس کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتی، نہ آسمانوں میں، نہ زمین میں۔" اور لوح محفوظ کے بارے میں ارشاد ہے کہ: **لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا**(سورۃ الکھف:49)"یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں چھوڑا جس کا پورا اِحاطہ نہ کر لیا ہو۔" کیونکہ کائنات میں کوئی بھی شے بے ساختہ یا اندھادُھند طور پر موجود نہیں، نہ ہی کوئی شے اتفاقیہ طور پر وجود پذیر ہوئی ہے، بلکہ ہر چیز منظم اور مرتب سوچی سمجھی اور علیم وحکیم ذات کی طرف سے طے شدہ صورت میں نمودار ہوتی ہے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دعائیں کس طرح قبول کرتا ہے، جو موجودہ زمانہ میں اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ اس کا فلاں بندہ فلاں وقت میں کوئی دعا مانگے گا، تو جب اللہ اس کی دعاء قبول کرے گا تو اللہ معاملات کی ترتیب و اندازہ اس طور سے کرے گا، جس کے نتیجے میں اس بندے کے لیے حالات ساز گار ہو کر اس کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ یعنی قبولیت دعا بھی قضاء ہی کا حصہ ہے۔ صالحین کو توفیق الٰہی کے

حصول کے یہی معنی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اَزل سے اس بات سے باخبر ہے، کہ اس کے بندوں میں سے یہ گروہ اس کی توفیق کا حقدار ہے، لہذا وہ اَزل سے اُمورِ جہاں کی ترتیب و تنظیم اس طور سے تشکیل دیتاہے اور اس کا اندازہ مقرر کرتا ہے، جس میں نیک بندوں کی توفیق کی صورت بھی نکل آتی ہے، اور کائناتی قوانین یا اشیاء کے خواص میں ردّ و بدل کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح جن بندوں کی آزمائش یا سزا منظور ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اَزل سے جانتا ہے کہ انسانوں میں سے فلاں گروہ دنیا میں عقاب و عذاب کا مستحق ہے، اور اس گروہ کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی کسی نہ کسی ابتلاء میں ڈالے گا، تو اللہ تعالیٰ اَزل سے ہی اُمور کا اندازہ یا ترتیب اس طور سے کرتا ہے کہ کائناتی قوانین اور خاصیات اشیاء کے ضمن میں یہ سب کچھ اپنے وقت پر اور مخصوص حد تک مخصوص لوگوں کے حوالے سے وجود پذیر ہو جاتا ہے۔

جو قومیں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو جھٹلا دیتی ہیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سُنت یہ رہی ہے کہ ان کی تکذیب کے سبب ان کو دنیا میں ہی عذاب دیتا ہے۔ مگر عذاب یا ہلاکت کی نوبت غالب طور پر با کفایت دلائل سمجھانے اور کافی عرصہ گذرنے کے بعد آتی ہے۔ قومِ نوح کو دیکھیے جنہیں اللہ تعالیٰ نے طوفان سے ہلاک کیا، مگر یہ تب ہوا جب نوح علیہ السلام ان میں رہ کر انہیں ساڑھے نو سو سال دعوت دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ (9) فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ (10) فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ (11) وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ (12) وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ** (سورۃ القمر 9-13) "ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا تھا۔ اُنہوں نے

ہمارے بندے کو جھٹلایا، اور کہا کہ: "یہ دیوانے ہیں" اور اُنہیں دھمکیاں دی گئیں۔ اس پر اُنہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: "میں بے بس ہو چکا ہوں، اب آپ ہی بدلہ لیجیے۔ چنانچہ ہم نے ٹوٹ کر برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیے۔ اور زمین کو پھاڑ کر چشموں میں تبدیل کر دیا۔ اور اس طرح (دونوں قسم کا) سارا پانی اُس کام کے لیے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا۔" اور فرعون کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر سمیت دریائے نیل میں اس وقت غرق کر دیا، جبکہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اس کو واضح معجزات اور دلائل کے ساتھ کافی عرصے تک دعوت دے چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ (63) وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ (64) وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَجْمَعِينَ** (سورۃ الشعراء63-65)" چنانچہ ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو۔ بس پھر سمندر پھٹ گیا، اور ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔" اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد پر اللہ تعالیٰ نے شدید آندھی کا طوفان بھیجا، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ (77) فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ** (سورۃ الأعراف:77-78)" چنانچہ اُنہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا، اور اپنے پرودگار کے حکم سے سرکشی کی، اور کہا: صالح! اگر تم واقعی ایک پیغمبر ہو تو لے آؤ وہ (عذاب) جس کی دھمکیاں دیتے ہو!" نتیجہ یہ ہوا کہ اُنہیں زلزلے نے آپکڑا، اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے۔" اور قوم لوط کے بارے میں اللہ سبحانہ فرماتا ہے: (إن

موعدهم الصبحُ أليس الصبح بقريب۔ فلما جاء أمرنا جعلنا عاليها سافلها وأمطرنا عليها حجارة من سجيل منضود ۔ مُسوّمةً عند ربك وما هي من الظالمين ببعيد) (سورۃ ھود 81-83)"یقین رکھو کہ ان (پر عذاب نازل کرنے) کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے۔ کیا صبح بالکل نزدیک نہیں آگئی؟" پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس زمین کے اُوپر والے حصے کو نیچے والے حصے میں تبدیل کر دیا، اور ان پر پکی مٹی کے تہہ بر تہہ پتھر برسائے۔" اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ایمان لانے سے انکار کیا اور انہیں چیلنج کیا کہ وہ عذاب لا کر دکھائیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ (185) وَمَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِن نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ (186) فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (187) قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ (188) فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ** (سورۃ الشعراء: 185-189)" کہنے لگے: "تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے، تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو اور ہم تمہیں پورے یقین کے ساتھ جھوٹا سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔ شعیب نے کہا: "میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو۔" غرض ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آپکڑا۔ بیشک وہ ایک زبردست دن کا عذاب تھا۔"

اور جب محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو پیغمبروں کو جھٹلانے والے کفار کی ہلاکت کی سنت تبدیل ہوگئی، یہ تبدیلی ذیل کے نصوص میں واضح ہے:

1- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَـٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِندِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (32) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ** " (سورۃ الأنفال: 32-33)" اور (ایک وقت وہ تھا) جب انہوں نے کہا تھا کہ: "یا اللہ! اگر یہ (قرآن) ہی وہ حق ہے جو تیری طرف سے آیا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسادے، یا ہم پر کوئی اور تکلیف دہ عذاب ڈال دے۔" اور (اے پیغمبر!) اللہ ایسا نہیں ہے کہ اِن کو اس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو، اور اللہ اِس حالت میں بھی ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے جب وہ استغفار کرتے ہوں"۔

یہ جھٹلانے والے اور چیلنج دینے والے نضر بن الحارث اور ابو جہل تھے،اور سارے مشرکین مکہ بزبان حال یہی کہتے تھے، ان کا جواب ہلاکت کی صورت میں نہیں دیا گیا، بلکہ ان کو دو قسم کا امن دیا گیا، ایک امن رسول اللہ ﷺ کی ان کے درمیان موجودگی، اور دوسرا امن ان کا استغفار کرنا۔ پہلا امن اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی وجہ سے زائل ہوا تاہم دوسرا امن کبھی بھی زائل نہیں ہوتا۔

2- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (53) يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ (54) يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ**

ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (سورۃ العنکبوت: 53-55)" یہ لوگ تم سے عذاب کی جلدی مچارہے ہیں۔ اگر (عذاب کا) ایک معین وقت نہ ہوتا تو ان پر ضرور عذاب آجاتا، اور وہ آئے گا ضرور (مگر) اتنا اچانک کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ تم سے عذاب کی جلدی مچارہے ہیں اور یقیناً جہنم ان کو گھیرے میں لے لے گی، اُس دن جب عذاب اُن پر اُوپر سے بھی چھاجائے گا اور ان کے پاؤں کے نیچے سے بھی اور کہے گا کہ: " چکھو اُن کاموں کا مزہ جو تم کیا کرتے تھے۔"

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر ج 13 / ص 356 میں فرماتے ہیں: (ابنِ عباس ؓ کہتے ہیں:" اس سے مراد وہ وعدہ ہے جو میں نے آپ سے کیا تھا کہ آپ کی قوم کو میں عذاب نہیں دوں گا اور ان کو قیامت پر ٹال دیتا ہوں۔ جس کا بیان ایک اور آیت میں موجود ہے یعنی (بل الساعة موعدهم)- "یہی نہیں بلکہ ان کے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے۔"

3- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا يَنظُرُ هَـٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ (15) وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (سورۃ ص 15-16)"اور یہ ایک ہی چیخ کے منتظر ہیں جسے کچھ دیر نہیں لگے گی۔ اور کہتے ہیں اے رب ہمارے! ہمارا حصہ ہمیں حساب کے دن سے پہلے ہی دے دے۔"

مفسر قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں: ینظر کے معنی ینتظر یعنی انتظار کے ہیں اور انتظار کرنے والے سے مراد کفارِ مکہ ہیں۔ الا صیحة واحدة یعنی قیامت کے صور کا پھونکا جانا، قِطَّنَا، یعنی ہمارا عذاب۔

4–اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ** "اس نے اپنے اوپر رحم لازم کر لیا ہے، وہ قیامت کے دن تم سب کو ضرور اکھٹا کرے گا جس میں کچھ شک نہیں، جو لوگ اپنی جانوں کو نقصان میں ڈال چکے وہ ایمان نہیں لاتے "(سورۃ الأنعام:12) علامہ قرطبیؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے: (كتب على نفسه الرحمة) "اپنے آپ پر رحمت لازم کی ہے "یعنی محض اپنے فضل و مہربانی سے اس کا وعدہ کر رکھا ہے اور اسی وجہ سے اللہ ڈھیل بھی دیتا ہے۔

5-اللہ تعالی فرماتا ہے:**وَمَا مَنَعَنَا أَن نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَن كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۚ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا ۚ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا** "اور ہم نے اس لیے معجزات بھیجنے موقوف کر دیے کہ پہلوں نے انہیں جھٹلایا تھا، اور ہم نے ثمود کو اونٹنی کا کھلا ہوا معجزہ دیا تھا پھر بھی انہوں نے اس پر ظلم کیا، اور یہ معجزات تو ہم محض ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں"(سورۃ الإسراء: 59) مفسر قرطبیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: وما منعنا ان نرسل بالآيات، آیات سے مراد وہ نشانیاں ہیں جن کا وہ لوگ مطالبہ کرتے تھے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی مطلوبہ نشانیاں بھیج دینے سے صرف یہی چیز ہمارے لیے رُکاوٹ ہے کہ وہ پھر بھی ان نشانیوں کو جھٹلائیں گے اور نتیجہ یہ ہو گا کہ ہلاک کر دیے جائیں گے، جیسا کہ ان سے پہلے گزشتہ قوموں کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا۔۔۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے کفار کا عذاب مؤخر کر دیا کیونکہ اللہ تعالی جانتے ہیں کہ ان میں سے کچھ تو ایمان لے آئیں گے اور کچھ ان میں مؤمن پیدا ہوں گے۔ ان کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دے اور ان پہاڑوں کو ان کے سامنے سے ہٹا دے، پس جبرئیل علیہ السلام اُتر آئے اور

کہا: آپ ﷺ چاہتے ہیں تو آپ ﷺ کی قوم کا مطالبہ پورا ہو جائے گا، لیکن اگر وہ تب بھی ایمان نہ لائیں گے تو پھر مہلت نہیں دی جائے گی یا پھر آپ ﷺ چاہتے ہیں تو انہیں مہلت دی جائے، رسالت مآب ﷺ نے فرمایا نہیں، میں ان کے لیے مہلت چاہتا ہوں۔

6- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ** "اور یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں، اللہ اُس سے غافل ہے۔ وہ تو ان لوگوں کو اُس دن تک کے لیے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔" (سورۃ ابراھیم:42)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ خطاب اس وقت کیا گیا جبکہ مشرکین کی طرف سے اشتعال انگیز کاروائیاں عروج پر تھیں ،وہ آپ ﷺ کو للکارا کرتے تھے اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے، آپ ﷺ عذاب کی دھمکی دیتے تو آپ ﷺ کی دھمکی کا بھی تمسخر اڑاتے تھے۔ یہ تمسخر، چیلنج اور اشتعال انگیزی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مذکور ہے:

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا (90) أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا (91) أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا (92) أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا (سورۃ الاِسراء:90-93)"اور کہتے ہیں کہ ہم تم پر اس وقت ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم زمین کو پھاڑ کر ہمارے لیے ایک چشمہ نہ نکال دو، یا پھر تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا

ایک باغ پیدا ہو جائے اور تم اُس کے بیچ بیچ میں زمین کو پھاڑ کر نہریں جاری کر دو، یا جیسے دعوے کرتے ہو، آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُسے ہم پر گرا دو، یا پھر اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے آمنے سامنے لے آؤ۔ یا پھر تمہارے لیے ایک سونے کا گھر پیدا ہو جائے، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی اُس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک تم ہم پر ایسی کتاب نازل نہ کر دو جسے ہم پڑھ سکیں۔ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: "سبحان اللہ! میں تو ایک بشر ہوں جسے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔" یہ باتیں سن کر آپ ﷺ دکھی ہو کر ان سے چل دیئے، تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لیے آیات نازل کیں کہ اللہ لوگوں کے کرتوتوں سے بے خبر نہیں، بس اتنا ہے کہ ان کو قیامت کے دن تک ڈھیل دینا چاہتا ہے۔

اب تک ہم نے ان قوموں کی بات کی ہے جن کے پاس اللہ کے پیغامبر آئے اور انہوں نے ان کو جھوٹا کہا۔ لیکن جب لوگوں کے درمیان اللہ کی طرف ان کو دعوت دینے والا کوئی رسول موجود نہ ہو تو عمومی طور پر لوگوں کے حوالے سے اللہ کی سنت کیا ہے؟ رسول کی عدم موجودگی کی حالت مثلاً: دو رسولوں کے درمیان وقفہ والی حالت جس کو فترہ کہا جاتا ہے، یا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے لے کر اب تک جو صورتحال ہے۔

یہ تمام لوگوں کی عمومی صورتحال ہے، مندرجہ ذیل نصوص اس صورتحال کے بارے میں فیصلہ کرتی ہیں:

1- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ وَلَـٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّىۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةًۖ**

وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ "اور اگر اللہ لوگوں کو اُن کے ظلم کی وجہ سے (فوراً) اپنی پکڑ میں لیتا تو روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ چھوڑتا، لیکن وہ اُن کو ایک معین وقت تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اُن کا معین وقت آجائے گا تو وہ گھڑی بھر بھی اُس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکیں گے" (سورۃ النحل: 61)۔

2 - اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا** "اور اگر اللہ لوگوں کے ہر کرتوت پر اُن کی پکڑ کرنے لگتا تو اس زمین کی پشت پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ ایک معین مدت تک کے لیے ان کو مہلت دے رہا ہے۔ پھر جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو اللہ اپنے بندوں کو خود دیکھ لے گا۔"(سورۃ فاطر:45)

3 – اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا** "اور تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا بڑا رحمت والا ہے، جو کمائی انہوں نے کی ہے، اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑنے پر آتا ہے تو ان کو جلد ہی عذاب دے دیتا لیکن ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے ،جس سے بچنے کے لیے انہیں کوئی پناہ نہیں ملے گی۔" (سورۃ الکھف:58)

4-اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:(ولا تحسبنّ الله غافلاً عما يعمل الظالمون إنما يؤخرهم ليوم تشخص فيه الأبصار) (سورۃ ابراھیم:42)

5–اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((اليومَ عملٌ ولا حساب، وغداً حسابٌ ولا عمل)) (رواه البخاري)" آج عمل ہے حساب نہیں کل حساب ہو گا عمل نہیں۔"

ان پانچ نصوص اور ان جیسے دیگر نصوص سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دنیا کو حساب کا گھر (جگہ) نہیں بنایا بلکہ یہ عمل کی جگہ ہے حساب کل ہو گا، پورا حساب قیامت کے دن ہو گا جس کو یوم الحساب کہا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: (وإنما توفون أجوركم يوم القيامة) "اور تمہیں قیامت کے دن پورے پورے بدلے ملیں گے" (آل عمران: 185) جہاں تک دنیا میں لوگوں کو پہنچنے والے مصائب کی بات ہے تو یہ کائناتی قوانین اوراشیاء میں ودیعت ہوئی خاصیات کی بدولت ظہور پذیر ہوتے ہیں، اور مسلمان بھی ان سے اسی طرح متاثر ہوجاتا ہے جیسے کافر، یہ متقی شخص کو بھی اس طرح پہنچ کر رہتا ہے جیسے ایک شقی اور بدبخت کو۔

دنیامیں جو آفات اور مصیبتیں آتی ہیں، ضروری نہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے کسی گناہ کی سزا کے طور پر آئیں، نہ ہی یہ ضروری ہے کہ وہ مصیبت زدہ انسان سے انتقام الٰہی کی وجہ سے آپڑی ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایاہے: **وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (155) الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (156) أُولَـٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ** (سورة البقرة:155-157)"اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے، اور (کبھی) بھوک سے، اور (کبھی) مال وجان اور پھلوں میں کمی کر کے۔ اور جو لوگ (

ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں اُن کو خوشخبری سنادو۔" اور اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں((أشدُّ الناس بلاءً الأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ فَإِنْ كَانَ دِينُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلاَؤُهُ وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ فَمَا يَبْرَحُ الْبَلاَءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الأَرْضِ مَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ)) (رواه بخاري)"سب سے سخت مصیبتیں نبیوں پر آتی ہیں، پھر جو ان کے بعد افضل ہیں، پھر جو ان کے بعد افضل ہیں (یعنی) آدمی پر اس کی دینداری کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ پس ایک بندے پر آزمائشیں آتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ اسے ایسا کر کے چھوڑتی ہیں کہ وہ زمین پر چل پھر رہا ہوتا ہے اور اس کے ذمے کوئی گناہ باقی نہیں رہتا (اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں) تو جس مؤمن کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ صبر کے ساتھ اس کو برداشت کرے اور اللہ کے نزدیک اس پر اجر کی امید رکھے تو ایسے شخص کے حق میں مصیبت ایک نعمت ہوتی ہے، عذاب یا انتقام نہیں ہوتا ہے، کیونکہ اس سے اس کے سیئات اور گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور قیامت کے دن اس کی نیکیوں کے پلڑے کا وزن بڑھ جاتا ہے۔

جہاں تک کافر کی بات ہے، جس پر کوئی مصیبت آجائے تو اس سے اس کے گناہ نہیں مٹتے، نہ ہی اس کی نیکیوں میں اس سے اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ قیامت کے دن اس کے پاس کوئی نیکی ہی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا (سورة الفرقان 23) "اور انہوں نے جو عمل کیے ہیں، ہم اُن کا فیصلہ کرنے پر آئیں گے تو اُنہیں فضا میں بکھرے ہوئے گرد و غبار (کی طرح بے قیمت) بنا دیں گے۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے: وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي

حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ (سورۃ الاحقاف:20)" اور اس دن کو یاد رکھو جب ان کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، (اور کہا جائے گا کہ:) "تم نے اپنے حصے کی اچھی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں ختم کرڈالیں، اور ان سے خوب مزہ لے لیا، لہٰذا آج تمہیں بدلے میں ذِلت کی سزا ملے گی، کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے، اور کیونکہ تم نافرمانی کے عادی تھے۔" اور نصوص شرعیہ میں "عذاب" کا لفظ بھی وارد ہوا ہے، جس کے معنی وہ سزائیں ہیں جو اللہ کے حکم سے گناہگاروں پر جاری کی جاتی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ قول: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (النور:2)" اور یہ بھی چاہیے کہ مؤمن ان کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے۔" اور جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول: (وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ ۙ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ (سورۃ النور:7)" اور عورت سے (زنا کی) سزا دُور کرنے کا راستہ یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ اُس کا شوہر (اس الزام میں) جھوٹا ہے۔"

شرعی نصوص میں عذاب کا لفظ بھی آیا ہے اسی طرح عقاب، ہلاک، تدمیر اور استبدال کے الفاظ آئے ہیں، ان سب کے معنی وہ تکلیفیں اور مصیبتیں ہیں جو لوگوں پر کائناتی قوانین اور اسباب و مسببات کے تحت آتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (سورۃ الأنفال:68)" اگر اللہ کی طرف سے ایک لکھا ہوا حکم پہلے نہ آچکا ہوتا تو جو راستہ تم نے اختیار کیا، اُس کی وجہ سے تم پر کوئی بڑی سزا آجاتی۔" یعنی جنگ کے دوران جلد قتال ترک کرنے اور فدیہ لینے کی لالچ میں قیدی بنالینے کی

حرص جنگ ہارنے کا سبب بن سکتی ہے، جس کے نتیجے میں تم لوگ خود اسیر بن جاؤ گے اور قتل ہو جاؤ گے۔ یہ اللہ کے اس قول کی مانند ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ**"ان سے لڑو تا کہ اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے اور انہیں ذلیل کرے اور تمہیں ان پر غلبہ دے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے"(لتوبة:14)۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول:(**وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا** (سورۃ الِاسراء:16)"اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوش حال لوگوں کو (ایمان اور اطاعت کا) حکم دیتے ہیں، پھر وہ وہاں نافرمانیاں کرتے ہیں، تو ان پر بات پوری ہو جاتی ہے، چنانچہ ہم اُنہیں تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔" ایسا اُس وقت ہوتا ہے جب بہت زیادہ فساد اور بگاڑ کے سبب خانہ جنگی پھوٹ پڑے یا کوئی بیرونی دشمن جب دیکھتا ہے کہ مثلاً فلاں علاقہ عیش پرستی اور لذات کی دلدل میں دھنس چکا ہے، اور قوت و طاقت کے حصول اور جہاد کے اسباب میں تساہل برت رہا ہے، تو ان پر لالچ کرنے لگتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول: **وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم** (سورۃ محمد:38)"اور اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کرے گا، پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔"پس مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کی شریعت سے منہ موڑنا ان کے تتر بتر ہونے اور کمزور بن جانے کا باعث بنتا ہے، جس کی وجہ سے دشمن ان کا کام تمام کر دیتے ہیں، تب امت میں سے اللہ کے دین کی رسی کو پکڑنے کے لیے کوئی اور اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے، اسی طرح اللہ کا یہ قول **فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ (123)**

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا (سورۃ طٰہٰ:123-124)"تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ کسی مشکل میں گرفتار ہو گا۔ اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اسے بڑی تنگ زندگی ملے گی۔" اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے، جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا: ((أنهلِكُ وفينا الصالحون؟ قال: نعم، إذا كَثُر الخبث))" کیا ہمیں ہلاک کیا جائے گا حالانکہ ہم میں نیک لوگ بھی ہیں؟ فرمایا ہاں! جب خباثت کی کثرت ہو جائے۔" رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی قول ہے: **وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلاَ يُسْتَجَابُ لَكُمْ** (رواه الإمام أحمد والترمذي)" قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور منکرات سے روکو گے ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تم پر عذاب مسلط کر دے، پھر تم لوگ دعائیں مانگو گے مگر قبول نہیں کی جائیں گی۔" (رواہ الامام احمدؒ و الترمذیؒ)

یہ وہ نتائج جو سببیت کے قانون سے پیدا ہوتے ہیں، گناہوں کے بدلے میں نہیں، بلکہ گناہوں کا حساب کتاب قیامت کے دن ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو ملاحظہ فرمائیں: **وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ (124) قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا (125) قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ** (سورۃ طٰہٰ:124- 126)"اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی، اور قیامت کے دن ہم اُسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ: "یارب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا، حالانکہ میں تو

آنکھوں والا تھا؟" اللہ کہے گا: "اسی طرح ہماری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں، مگر تونے اُنہیں بھلا دیا۔ اور آج اُسی طرح تجھے بھلا دیا جائے گا۔" پس اللہ کی نصیحت (یعنی شریعت خداوندی) سے اعراض اور منہ پھیرنے سے زندگی تنگ ہونے کے مسائل پیدا ہوتے ہیں، یعنی دنیا میں بد حالی، لیکن اس بدحالی کے بدلے روز آخرت کا عذاب نہیں ٹلے گا۔ دنیا میں وہ عذاب جو کسی انسان سے آخرت کے عذاب کو روکتا ہے، وہ شرعی سزائیں ہیں جن کو حدود و تعزیرات کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ سزائیں ہی جھڑک ہیں اور یہی جبیرہ یا کفارہ بنتی ہیں، جہاں تک مصائب اور بیماریوں کا تعلق ہے جو سبب اور مسبب کے قانون کے تحت ظاہر ہوتی ہیں تو یہ ایسی سزائیں نہیں جو یوم القیامہ کی سزاؤں کا بدل بن سکیں۔ سو بطور مثال ایک شخص زنا کا ارتکاب کرے پھر اسے ایڈز کی بیماری لگ جائے، تو یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو دنیا میں سزا ملی ہے، اور آخرت میں اس کو سزا نہیں دی جائے گی، کیونکہ ایڈز کا مرض اس وقت ہی کسی کو لگتا ہے جب اس کے اسباب اکٹھے ہو کر پائے جائیں، جبکہ زنا کی عقوبت یعنی سزا قیامت کے لیے باقی رہتی ہے۔

اور جو امور کائنات میں پیش آتے ہیں، جن میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، مثلاً زلزلے آتے ہیں، آندھیاں اور طوفانیں، سیلاب اور آتش فشاں کے پھٹنے کے واقعات ہو جاتے ہیں، بارشوں کا رُک جانا، سخت ترین گرمی، شدید سردی، اور ان اُمور کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اثرات یہ سب کے سب فقط اللہ تعالیٰ کے کام ہیں اور یہ انہی خاصیات کے مطابق ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اشیاء میں ودیعت کر رکھی ہیں۔ یہ حالات تمام لوگوں کو پیش آتے ہیں، اس لحاظ سے مؤمن اور کافر یا نیک و بد کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ نا ہی یہ امور شرعی معنوں میں شر کہلاتے

ہیں۔ یہ مسلمانوں کے لیے آزمائش ہوتے ہیں، پس اگر وہ صبر کرتے ہیں اور ثواب کی اُمّید رکھتے ہیں تو ان کے لیے خیر و برکت اور نعمت ثابت ہوتے ہیں، اور ایسے اُمور تمام لوگوں کے لیے خواہ مؤمن ہو یا کافر سب کے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں اور یہ ان کے لیے غور و فکر، تدبر اور سبق حاصل کرنے کی دعوت ہوتی ہے۔ ان کو غفلت سے جھنجوڑنے اور فانی لذات میں منہمک ہونے کے نتائج سے انہیں آگاہ کرنے اور ڈرانے کے واسطے تازیانہ ثابت ہوتے ہیں، لوگ جنت کی نعمتوں اور جہنم کی سختیوں کو بھلا دیتے ہیں، سو ان جیسے امور سے اِن کو تنبیہ ہو جاتی ہے۔

یہ تمام واقعات اندھا دُھند اور اتفاقیہ طور پر وقوع پذیر نہیں ہوتے، بلکہ ایک خاص ترتیب اور اندازہ و مقدار سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور علم کے مطابق پسند فرماتا ہے۔

یا اللہ ہم جہاں بھی ہوں ہمارے لیے خیر مقدر فرما اور وہ توفیق و دستگیری فرما جس سے تو راضی ہو۔ **رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ** (آل عمران:8)"تو نے ہمیں جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کے بعد ہمارے دلوں میں ٹیڑھ پیدا نہ ہونے دے، اور خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما۔ بے شک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جو بے انتہا بخشش کی خوگر ہے۔"

الوعی میگزین شمارۃ 150

ختم شد

عاصم بن صامتؓ

"جو قتال کرے تو اسے چاہیئے کہ وہ عاصم بن صامتؓ کی طرح قتال کرے"

ارشادِ سیدنا محمد ﷺ

3 ہجری میں قریش غصے اور جنون میں مبتلا ہو کر اپنے سرداروں اور غلاموں کے ساتھ جنگِ احد میں محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کے مقابلے کے لیے نکلے۔۔۔ ان کے بڑوں کے سینے نفرت اور غصے سے بھرے ہوئے تھے اور بدر میں قتل ہو جانے والوں کا بدلہ ان کے خون میں گردش کر رہا تھا۔ یہی کافی نہیں تھا بلکہ ان کے ساتھ قریش کی سمجھ بوجھ والی عورتیں بھی نکل آئی تھیں تاکہ وہ مردوں کو قتال پر اُبھاریں، بہادروں میں غیرت کی آگ بھڑکائیں اور ان کے عزائم میں قوت پیدا کریں، جب بھی وہ کمزور یا سست پڑ جائیں۔ ان کے ساتھ نکلنے والی عورتوں میں ہند بنت عتبہ ابو سفیان کی بیوی، ریطۃ بنت منبہ عمرو بن العاص کی بیوی، سلافۃ بنت سعد اس کے ساتھ اسکا شوہر طلحہ اور اس کے تین بیٹے: مسافع، جلاس اور کلاب اور دیگر عورتیں بھی شامل تھیں۔ جب دونوں گروہ آمنے سامنے ہوئے اور جنگ کی آگ گرم ہونا شروع ہو گئی تب ہند بنت عتبہ اور دیگر عورتیں قریش کی صفوں کے پیچھے کھڑی ہو گئیں اور دف بجاتے ہوئے یہ نشید پڑھنے لگیں:

إن تقبلوا نعانق   ونفرُش النمارق
أو تدبروا نفارِق   فِراق غير وامق

اگر تم جنگ کو گلے لگاؤ گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گی اور تمہارے بستروں پر تکیے اور گدے بچھائیں گی، اور اگر تم پیٹھ پھیرو گے تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گی ایسی جدائی جس میں محبت کا کوئی پہلو نہیں

ہو گا۔ ان کی یہ نشید گھڑسواروں کے سینوں میں غیرت کی آگ بھڑکا رہی تھی، اور ان کے شوہروں پر جادو کا اثر کر رہی تھی، پھر جنگ ختم ہو گئی اور مسلمانوں پر قریش کو فتح حاصل ہوئی۔ لہذا عورتیں کو فتح کے نشے نے مزید اُکسایا اور وہ بلند آواز میں چیختی ہوئیں جنگ کے میدان میں دوڑنے لگیں اور انتہائی خوفناک انداز میں مقتولوں کا مُثلہ کرنے لگیں: پیٹ پھاڑ دیئے گئے، آنکھیں نوچ لیں، کان اور ناک کاٹ دیئے حتی کہ ان میں سے ایک کا غصہ پھر بھی ٹھنڈا نہیں ہوا تو انہوں نے مقتولین کے ناک اور کان سے ہار اور پازیب بنائی اور اسے بدر میں مارے گئے اپنے والد، بھائی اور چچا کا بدلہ لینے کے لئے زیور کی طرح پہنا۔

لیکن سلافۃ بنت سعد جو قریش کی عورتوں میں اونچا درجہ رکھتی تھی وہ بے چین اور پریشان تھی اور اس بات کا انتظار کر رہی تھی کہ اس کا شوہر یا تینوں بچوں میں سے کوئی ایک بچہ اس کو مل جائے تا کہ وہ سب کی خبر معلوم کر سکے اور باقی عورتوں کی طرح فتح کی خوشی میں شامل ہو جائے۔ تاہم اس کا انتظار طویل اور بیکار ہو گیا، تو وہ میدان جنگ میں بہت دور تک گئی اور اس نے مرنے والوں کے چہروں پر نگاہ ڈالنی شروع کی۔ پھر جب اس نے اپنے شوہر کو خون میں لت پت پایا تو وہ کسی خوفزدہ شیرنی کی طرح اٹھی اور اس نے اپنے بچوں مسافع، کلاب اور جلاس کو ڈھونڈنے کے لیے اپنی نگاہیں چاروں طرف دوڑانی شروع کر دیں۔ جلد ہی، اس نے انہیں اُحد کی ڈھلوان میں پڑے دیکھا۔ مسافع اور کلاب مر چکے تھے اور جلاس کے اندر ابھی کچھ سانس باقی تھی۔

سلافۃ اپنے اس بیٹے کی طرف لپکی جو سکراتُ الموت سے لڑ رہا تھا، اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور اس کے ماتھے اور منہ سے خون صاف کرنے لگی اور اس آفت کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر اس نے اپنے بیٹے کے قریب ہو کر اس سے سوال کیا کہ تمہیں کس نے مارا ہے؟

بیٹے نے جواب دینے کی کوشش کی لیکن موت کی سختی نے اسے جواب دینے سے روک دیا۔ سلافۃ نے دوبارہ زور دے کر سوال کیا تو اس نے جواب دیا: مجھے اور میرے بھائی مسافع کو عاصم بن صامتؓ نے مارا ہے اور پھر اس نے اپنا آخری سانس لیا اور اس کا سر ڈھلک گیا۔۔۔ سلافۃ بنت سعد پر جنون طاری ہو گیا اور اس نے واویلا کرنا شروع کر دیا اور بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔ اس نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی کہ وہ نہ تو اپنے غم کو ہلکا کرے گی اور نہ ہی اپنے آنسو خشک کرے گی جب تک کہ قریش عاصم بن صامتؓ سے بدلہ نہ لے لیں اور اس کی کھوپڑی اسے پیش نہ کر دیں تاکہ وہ اس میں شراب پیئے۔ پھر اس نے نذر مانی کہ جو کوئی بھی اس کو پکڑ کر لائے گا یا اس کو قتل کر کے اس کا سر لے کر آئے گا تو وہ اسے منہ مانگا انعام دے گی۔ قریش میں اس نذر کی خبر پھیل گئی اور ہر نوجوان اس بات کی خواہش کرنے لگا کہ کاش وہ عاصم بن صامتؓ پر غالب آ جائے اور آپؓ کا سر سلافۃ کے قدموں میں رکھ دے تاکہ وہ انعام کا حقدار ہو جائے۔

جنگ احد کے بعد مسلمان مدینہ واپس لوٹ گئے۔ وہ احد کے معرکے کو اور اس میں پیش آنے والے حالات کو یاد کرتے تھے۔ پس وہ اس میں شہید ہو جانے والوں کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے تھے اور مصیبت، پریشانی اور زخموں کا سامنا کرنے والوں کا بھی ذکر کرتے تھے۔ ذکر کرنے والوں نے جب عاصم بن صامتؓ کا ذکر کیا تو وہ اس اتفاق پر حیران ہوئے کہ وہ جنہیں مارنا چاہتے تھے انہوں نے ان میں سے ایک ہی گھر کے تین افراد کو مار ڈالا تھا، تو ایک کہنے والے نے کہا: اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے؟ کیا تم لوگوں کو یاد نہیں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہم سے جنگ بدر سے پہلے پوچھا تھا کہ تم لوگ کس طرح لڑو گے؟ تو عاصم بن صامتؓ کھڑے ہوئے، انہوں نے اپنے ہاتھوں میں اپنی کمان لی اور کہا: اگر لوگ ایک سو ہاتھ کے

فاصلے جتنا قریب ہوں تو تیر پھینکے جائیں گے۔ پھر جب وہ اتنا قریب آ جائیں کہ نیزے ان تک پہنچ سکیں تو نیزوں سے وار کیا جائے گا جب تک کہ نیزے ٹوٹ نہ جائیں۔ پھر جب نیزے ٹوٹ جائیں گے تو ہم نیزے رکھ دیں گے اور تلواریں اٹھا کر تلواروں سے مقابلہ کریں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح جنگ لڑی جاتے ہے لہٰذا جو قتال کرے تو اسے چاہیئے کہ وہ عاصم بن صامتؓ کی طرح قتال کرے۔

ابھی جنگ احد کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ میں سے چھ کو ایک مشن پر روانہ کیا اور ان پر عاصم بن صامتؓ کو امیر مقرر کیا۔ یہ بہترین لوگ نبی ﷺ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ ابھی یہ لوگ مکہ کے قریب ہی ایک راستے تک پہنچے تھے کہ ھذیل کے ایک گروہ کو اس کی خبر مل گئی چنانچہ وہ تیزی سے اُن کی طرف لپکے اور انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عاصمؓ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی تلواریں پکڑ لیں اور ان مسلط ہونے والوں کے خلاف مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس پر ھذیل کے لوگوں نے کہا تمہارے پاس ہماری بات ماننے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے (نہ تم ہمارے مقابلے کی طاقت رکھتے ہو اور نہ ہی قدرت) اور اللہ کی قسم! ہم آپ لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے، اگر آپ ہمارے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور اس بات پر ہم اللہ کے سامنے وعدہ اور معاہدہ کرتے ہیں۔ اس پر صحابہ کرامؓ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے کہ وہ مشورہ کر رہے ہوں۔ پھر عاصمؓ نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں مشرک کی ذمہ داری میں نہیں جاؤں گا، پھر انہوں نے سلافۃ کی نذر کو یاد کیا جو اس نے مانی تھی اور اپنی تلوار کو بے نیام کر کے اللہ سے دعا کی: اے اللہ! میں آپ کے دین کی حفاظت کرتا ہوں اور اس کا دفاع کرتا ہوں، پس آپ میرے گوشت

اور میری ہڈیوں کی حفاظت فرمائیں اور کسی اللہ کے دشمن کو ان پر دسترس حاصل نہ کرنے دیں۔ اس کے بعد انہوں نے ھذیل کے گروہ پر حملہ کیا اور صحابہ کرام میں سے دو نے ان کا ساتھ دیا، وہ لڑتے رہے حتٰی کہ ایک ایک کر کے شہید ہو گئے جبکہ باقی صحابہ کرامؓ نے اپنے اغوا کاروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جو نہی انہوں نے ہتھیار ڈالے تو ھذیل کے گروہ نے بدترین غداری کی۔ شروع میں ھذیل کے گروہ کو نہیں پتہ تھا کہ مقتولین میں عاصم بن صامتؓ بھی شامل ہیں، مگر جب انہیں پتہ چلا تو وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے آپ کو انعام کی بشارت دینے لگے۔ اس میں کچھ عجب نہیں ہے، کیا سلافۃ بنت سعد نے یہ نذر نہیں مانی تھی کہ جب بھی وہ عاصم بن صامتؓ پر دسترس حاصل کرے گی تو ان کے سر کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی؟ اور کیا اس نے ان کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لانے والے کو منہ مانگا انعام دینے کا اعلان نہیں کیا تھا؟

عاصم بن صامتؓ کی شہادت کو ابھی چند گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ قریش کو ان کی شہادت کی خبر مل گئی اور ھذیل کے لوگ مکہ کے نزدیک ہی مقیم تھے۔ چنانچہ قریش کے سرداروں نے عاصمؓ کے سر کے مطالبے کے ساتھ ایک قاصد روانہ کیا تاکہ سلافۃ کے اندر لگی آگ کو بجھا سکیں اور اسکی قسم کو پورا کر سکیں اور اس کے تین بیٹوں کے غم کو ہلکا کر سکیں، جنہیں عاصم نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا۔ انہوں نے قاصد کو بہت سامال دیا اور کہا کہ وہ اس مال کو ھذیل کے لوگوں پر فراخ دلی سے خرچ کرے تاکہ ان سے عاصمؓ کا سر حاصل کر سکے۔

ھذیل کے لوگ عاصم بن صامتؓ کے جسم کی طرف بڑھے تاکہ وہ ان کا سر الگ کر سکیں لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شہد کی مکھیوں اور بِھڑوں کے غول نے ان کے جسم کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ جب بھی ھذیل کے لوگ عاصم کے جسم کے قریب جانے کی کوشش کرتے تو وہ ان کے

چہروں کی طرف لپکتے اور انکی آنکھوں، پیشانیوں اور پورے جسم پر کاٹتے اور اس طرح انہوں نے ان لوگوں کو عاصمؓ سے دور کر دیا۔ پھر جب وہ ایک کے بعد ایک، کوششیں کر کے ان تک پہنچنے سے مایوس ہو گئے تو ان میں سے کچھ نے ایک دوسرے سے کہا: رات آنے تک اس کو چھوڑ دو یعنی رات کا انتظار کرو کیونکہ اندھیرا آنے پر بِھڑ چلے جائیں گئے اور اسے تمہارے لیے چھوڑ دیں گے۔ اس کے بعد وہ قریب ہی بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ لیکن جب دن گزر گیا اور رات آگئی تو آسمان سیاہ بادلوں سے ابر آلود ہو گیا، گرج چمک شروع ہو گئی اور ایسی بارش ہوئی جو اس سے پہلے وہاں کے قدیم لوگوں نے بھی نہیں دیکھی تھی، جب سے وہ وہاں رہ رہے تھے۔ جلد ہی چٹانوں میں سیلاب آگیا، نشیبی جگہیں بھر گئیں، وادیاں ڈوب گئیں اور وہ علاقہ کسی بے قابو سیلاب کی طرح کے سیلاب کی زد میں آگیا۔ جب صبح طلوع ہوئی تو ھذیل کو لوگوں نے ہر طرف عاصمؓ کے جسم کو تلاش کیا لیکن انہیں کوئی نشان نہیں ملا کیونکہ سیلاب انہیں بہا کر دور لے گیا تھا، ایسی جگہ جسکا انہیں معلوم نہیں تھا۔

بے شک اللہ تعالی نے عاصم بن صامتؓ کی دعا قبول کر لی اور ان کے پاک جسم کو مُثلہ ہونے (یعنی جسم کو خراب کرنے اور کاٹنے) سے بچا لیا اور ان کے باعزت سر کو اس بات سے محفوظ کر لیا کہ ان کی کھوپڑی میں شراب پی جائے۔۔۔ اور اللہ نے مرنے کے بعد مشرکین کو ان کے جسم پر کوئی اختیار نہ دیا۔

الوعی میگزین شمارہ400-401

ختم شد

پاکستان میں پولیس کا ادارہ اور اِس کا ظالمانہ تشخّص: اِس کا ماضی، حال اور خلافت کے زیرِ سایہ مستقبل

تحریر: عمر شریف

کوئی بھی ریاست چاہے وہ بڑی ہو یا چھوٹی اپنی عوام کے جان و مال کی حفاظت اور امن قائم رکھنے کے لیے جن ریاستی اداروں پر انحصار کرتی ہے اُن میں پولیس کا ادارہ سب سے اہم ہے۔ لیکن اگر بات ایک نظریاتی ریاست کی ہو تو اُس کے لیے پولیس کا ادارہ اس وجہ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ ادارہ عدلیہ کے ساتھ مل کر اُس ریاست کے اندر اُس آئیڈیالوجی کے نفاذ اور حفاظت کا اہم ترین فریضہ سر انجام دیتا ہے جس کی وہ ریاست علمبردار ہوتی ہے۔ اِسی لیے نظریاتی ریاستیں اِن دو اہم ترین امور کی انجام دہی کے لیے اپنے پولیس کے ادارے کو مستعد بنانے اور جدید خطوط پر استوار کرنے کے لیے اپنے تمام وسائل بروئے کار لاتی ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے پاکستان جیسی ماتحت ریاست کہ جس کے ماضی اور حال کے جمہوری اور سرمایہ دارانہ حکمران جو اِسے کبھی ایشین ٹائیگر تو کبھی فلاحی ریاست اور کبھی ریاستِ مدینہ بنانے کے دعوے کرنے سے نہیں تھکتے، اُن تمام کے ادوارِ حکومت میں پولیس نے نااہلی، ظلم و جبر اور کرپشن کی ایسی داستانیں رقم کی ہیں کہ انہیں سننے کے لیے ایک فولادی اعصاب کے حامل انسان کا حوصلہ بھی کم پڑ جائے۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن اور سانحہ ساہیوال اُن اَن گنت واقعات کی صرف چند مثالیں ہیں جہاں پولیس نے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو بھی بلا تفریق ریاستی رِٹ نافذ کرنے کے نام پر قتل کیا اور عدل و انصاف کی نام نہاد

علمبر دار ہماری عدلیہ یا تو ابھی تک ذمہ داروں کا تعین تک نہ کر سکی یا اِس ظلم کو برپا کرنے والوں کو حکومتی اور سکیورٹی اداروں کے دباؤ پر باعزت بری کرنے کے پروانے جاری کرتی رہی۔ ایک ریاست میں پولیس کا کردار تو وہ ہے کہ اس کی بنا پر عوام کے ذہنوں میں اپنے لیے تحفّظ اور امن کے جذبات پیدا ہونے چاہئیں لیکن پاکستان جیسی ریاست میں پولیس پر نظر پڑتے ساتھ ہی عوام کے ذہنوں میں خوف اور ناپسندیدگی کے احساسات ہی جنم لیتے ہیں۔

تفتیش کے نام پر اذیت ناک جسمانی تشدّد، پولیس سٹیشن کے اندر اور اسکے علاوہ باہر کے نجی عقوبت خانے، ماورائے عدالت قتل، رشوت ستانی، عوام کے لیے ہمدردی کے جذبات سے عاری برتاؤ، مظلوموں کی دادرسی کی بجائے ظالموں اور سیاسی اثرو رسوخ رکھنے والے نام نہاد شرفاء کے ہاتھوں کٹھ پتلی بننا اور محاسبے کے خوف سے آزاد بدعنوان ذہنی سوچ جیسے رویّے پولیس کے ادارے سے منسوب ہیں، اِن تمام رویّوں کو ہمارے ہاں "تھانہ کلچر" کا نام دیا جاتا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم پولیس جیسے استحصالی ادارے کی نااہلی، ظلم اور کرپشن کی تفصیلات میں جائیں اور یہ دیکھیں کہ آیا اِس کرپٹ نظام کے ہوتے ہوئے اِس ادارے میں بہتری لائی بھی جاسکتی ہے یا یہ صرف اِسلامی ریاستِ خلافت ہی ہوگی جو اِس ادارے کو حقیقی معنوں میں اِسلامی آئیڈیالوجی کا نگران اور عوام کے جان، مال اور عزت کا محافظ بنائے گی، یہ جاننا ضروری ہے کہ آخر وہ پسِ منظر اور وجوہات کیا ہیں جن کی بدولت یہ ادارہ اپنے اندر قابلِ افراد کے ہوتے ہوئے بھی موجودہ ظالمانہ شکل اختیار کر گیا اور عوام کو تحفّظ اور امن فراہم کرنا اِس کی ترجیحات نہ رہیں۔ پولیس

کے ادارے کا یہی طرزِ عمل ہمیں برصغیر سمیت دنیا کے اُن تمام خطوں میں بھی ملتا ہے جو ماضی میں کفّار کے ظالمانہ نو آبادیاتی نظام کا حصّہ رہے ہیں۔

برصغیر میں برطانوی سامراج کے قبضے سے قبل مسلم حکمرانوں کے دورِ حکومت میں جو کئی صدیوں پر محیط تھا معاشرہ عمومی طور پر جرائم سے کافی حد تک پاک تھا اور اسلام کے نافذ شدہ نظام عدل اور پولیس کے نظام کی بدولت عوام کو تحفّظ اور امن حاصل تھا۔ جہاں تک نظامِ عدل کا تعلق ہے تو یہ سلطنت کے قاضی القضاۃ کی سربراہی میں برصغیر کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا۔ قاضی القضاۃ ہی ہر ضلع، شہر اور دیہات کی سطح پر قاضیوں کی تعیناتی کیا کرتا تھا اور عدالتی نظام کی نگرانی کرتا تھا وسیع علاقے پر محیط اِس اِسلامی عدالتی نظام کو اُس دور کی ایک مستعد اور اہل پولیس فورس کی معاونت حاصل تھی یہ پولیس فورس ضلع کی سطح پر کوتوال، شہر کی سطح پر فوجدار اور دیہات کی سطح پر زمیندار کی سربراہی میں کام کرتی تھی اور جرائم کی روک تھام اور عوام کو تحفّظ فراہم کرنے کی ذمہ داری سرانجام دیتی تھی اِس عدالتی نظام اور پولیس فورس کی نگرانی کبھی تو والیٔ ہند براہِ راست اور کبھی اپنے وزراء کے ذریعے کیا کرتا تھا برصغیر میں ہر مسلم حکمران نے عوام کو عدل اور تحفّظ کی فراہمی اپنی بنیادی ذمہ داری سمجھی۔ اورنگزیب عالمگیر کے دور میں نئے قاضی القضاہ کی تعیناتی کی جاتی تو شاہی دیوان خانہ سے اُسے اِن الفاظ کے ساتھ فرمان جاری کیا جاتا:

"عادل، ایماندار اور غیر جانبدار رہنا۔ مقدّمات کی سماعت ہمیشہ حکومت کی طرف سے مختص کردہ عدالتی عمارت میں ہی کرنا۔ جس جگہ پر تم اپنے فرائضِ منصبی سرانجام دیتے ہو وہاں پر کام کرنے والے دوسرے ملازمین سے تحائف وصول کرنے سے اجتناب کرنا اور ہر ایک کی طرف سے دی

جانے والی دعوتوں کو قبول کرنے اور محفلوں میں شرکت سے پرہیز کرنا۔ اپنے عدالتی حکم نامے اور فیصلے، عدالتی حکم پر جاری کردہ خرید و فروخت کے عقد اور دوسرے قانونی دستاویزات شرع کی روشنی میں انتہائی احتیاط سے تحریر کرنا تاکہ عالم و فاضل تمہارے اِن فیصلوں اور دستاویزات میں نقائص اور سقم نہ نکالیں جو کہ تمہارے لیے شرمندگی کا باعث ہو اور فقر کو اپنے لیے فخر سمجھنا۔۔۔" (Essays on Legal Systems in India pg. 58)

جس انداز اور جِن الفاظ میں یہ فرمان ہمیں تاریخ کے اوراق میں ملتا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کا عدلیہ اور پولیس کا نظام کن مضبوط تصورات پر استوار تھا۔ لیکن برصغیر پر ایسٹ انڈیا کمپنی اور پھر براہِ راست تاجِ برطانیہ کے استعماری قبضے کے بعد سب کچھ بدل گیا۔ ایک ایسا خطہ کہ جس کی عوام اِس قبضے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھی اور جب موقع ملتا وہ اس برطانوی سامراج کے قبضے کے خلاف چھوٹی یا بڑی تحریکیں اِس تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے برپا کرتی رہتی ظاہر ہے ایسی سامراج دشمن عوام کے جان و مال کی حفاظت اور انہیں امن و سلامتی فراہم کرنے کی امید اِس قابض استعمار سے نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ وہ تو اس دشمن عوام پر اپنا تسلط برقرار رکھنے کی فکر میں تھا کہ جس کی خاطر یہ ضروری تھا کہ اُن پر ظلم و جبر اور سخت قوانین کے ذریعے انہیں اپنے کنٹرول میں رکھا جائے۔ برطانوی سامراج اُس تہذیب کا علمبردار تھا جس کے متعلق اس خطے کے مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک باطل تہذیب ہے اور وہ کافر انگریز کی غلامی میں رہنے کی لیے ہرگز تیار نہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وقتاً فوقتاً برصغیر کے عوام نے اِس خطّے کے مختلف حصّوں میں استعماری قبضے سے نجات کے لیے چھوٹی بڑی مزاحمتی تحریکیں برپا کیں جن

کو استعمار طاقت کے زور پر کچلتا گیا اور اِس خطّے پر اپنی گرفت مضبوط کرتا گیا مگر جس عظیم بغاوت نے استعماری قبضے کو حقیقی طور پر ایک خطرے سے دوچار کیا وہ 1857 کی جنگ آزادی تھی جس میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں نے بھی انگریز کے خلاف ہتھیار اُٹھایا یہاں تک کہ فوج اور پولیس کے وہ جوان جو انگریز نے برصغیر کے مختلف حصّوں سے ہی بھرتی کیے تھے وہ بھی اِس جنگ آزادی میں انگریز سے پیچھا چھڑانے کے لیے بڑی تعداد میں شامل ہوئے۔ اِس جنگ آزادی کے آغاز اور اِس کی ناکامی کے محرکات کیا تھے نفسِ مضمون اُن محرکات کی گہرائی میں جانے کی اجازت نہیں دیتا مگر اِس جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد کہ جس میں استعمار نے ہزاروں لوگوں اور سپاہیوں کو شہید کیا، انگریزوں کے سامنے یہ بات بہت واضح تھی کہ وہ اِس خطّے پر صرف ظلم وجبر اور ظالمانہ قوانین کے ذریعے ہی اپنے تسلّط کو برقرار رکھ پائیں گے اور اسی حقیقت کو ذہن میں رکھ کر برطانوی استعمار کی طرف سے 1861 میں وہ بدنام زمانہ پولیس ایکٹ Police Act of 1861 برصغیر میں نافذ کیا گیا کہ جِس کا مقصد کسی عوام دوست قانون کا عادلانہ نفاذ نہ تھا، نہ ہی اسکا مقصد یہاں کی عوام کے جان ومال اور عزت کا تحفظ اور امن فراہم کرنا تھا بلکہ اِسکا بنیادی مقصد یہاں کی عوام کو سخت کنٹرول میں رکھنا، مستقبل میں ممکنہ بغاوتوں کے اِمکان کو ختم کرنا اور یہاں کی مقامی آبادی کو یہ احساس دلانا تھا کہ وہ اب انگریز کے غلام ہیں اور انہیں غلام بن کر رہنا سیکھنا ہو گا۔ پس پولیس کے ادارے کو نئے سِرے سے ترتیب دیا گیا تاکہ اِسکے وہ جوان جو برصغیر سے ہی بھرتی کیے جاتے تھے اُنکی طرف سے بھی کسی ممکنہ مہم جوئی کا امکان ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ پولیس کے ادارے کو دوہرے اختیار کے ذریعے کنٹرول کیا جانے لگا ایک طرف تو اِس ادارے کو مرکزی

حکومت کے براہِ راست تابع کر دیا گیا جو پوری ریاست میں پولیس کے ادارے کو پالیسی کی سطح پر کنٹرول کرنے لگی جبکہ دوسری طرف ضلعی پولیس کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یعنی اِس خطّے میں برطانوی سامراج کی تشکیل کردہ بیوروکریسی کے کنٹرول میں دے دیا گیا یہی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جس کے پاس پورے ضلع کو اپنے حکم کے مطابق چلانے کے وسیع اختیارات تھے، ضلعی پولیس کو بھی اُن کی مختلف علاقوں میں تعیناتی (پوسٹنگ) ٹرانسفر یا انہیں معطل کرنے کے اختیارات کے ذریعے کنٹرول کرنے لگا۔ عمومی اختیارات کے ساتھ ساتھ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو ایمرجنسی اختیارات کا بھی حامل بنا دیا گیا کہ جن کے ذریعے وہ سرکار کے خلاف کسی بھی احتجاج، مظاہرے، نسلی اور لسانی فسادات یا ہنگامی صورتِ حال میں پولیس کو کسی بھی حد تک جانے یہاں تک کہ مظاہرین پر گولی چلانے اور اُن کے قتلِ عام کے احکامات بھی صادر کر سکتا تھا اور کسی بھی پولیس افسر یا اہلکار کے پاس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے کسی بھی ظالمانہ حکم کی حکم عدولی یا اُس سے اختلاف کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔

اِس کے علاوہ برطانیہ نے برصغیر میں پولیس کے ادارے کو دو حصوں / طبقوں میں تقسیم کر دیا۔ اوپر والا طبقہ اعلیٰ (ایلیٹ) برطانوی افسران پر مشتمل تھا جنکی اعلیٰ جسمانی و ذہنی تربیت اِس انداز سے کی جاتی کہ وہ ایک قابض سرزمین پر حکمران کی طرح ہیں اور انہیں یہاں کی غلام عوام کو اپنے کنٹرول میں رکھنا ہے اِن اعلیٰ افسران کو آپریشنل اتھارٹی اور کسی بھی صورتِ حال کی مناسبت سے فیصلہ سازی کے اختیارات بھی دیے گئے جبکہ پولیس کا دوسرا حصّہ یا طبقہ کانسٹیبل یا عام اہلکاروں کا تھا جنہیں برصغیر کے مختلف مقامی علاقوں، برادریوں یا نچلے طبقات سے بھرتی کیا جاتا تھا۔ اِن

اہلکاروں کی تربیت اِس انداز سے کی جاتی تھی کہ اِن کا کام محض اپنے اعلیٰ افسران کے احکامات چاہے وہ کتنے ہی غیر منطقی، غیر دانشمندانہ اور ظالمانہ کیوں نہ ہوں، کی بجا آوری ہے اور اُن کا رویہ اپنے افسران کے سامنے انتہائی مؤدبانہ ہونا چاہیئے اِس کے ساتھ ساتھ اُنہیں اِس بات کا بھی پابند کیا گیا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں اُن با اثر افراد، سرداروں، زمینداروں جو کہ تاجِ برطانیہ کے وفادار ہوں کو اُن کے مخالفین اور دشمنوں کے خلاف بھرپور مدد فراہم کریں تاکہ یہ سردار، زمیندار یا با اثر افراد اپنے علاقوں میں اپنے اثر ورسوخ کو بڑھائیں اور اِس طرح برطانوی استعمار کی جڑیں گہری کرنے میں بھی برطانوی مہروں کا کردار ادا کریں۔ اِس طرح پولیس کے اِس ادارے کو محض برطانوی سامراج کو مضبوط کرنے، ظالموں کی مدد کرنے، عوام کو بندوق کی نوک پر سیدھا رکھنے اور برطانوی استعمار کے خلاف اٹھنے والی سیاسی آوازوں کو دبانے کے لیے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ اِس کی ایک قبیح مثال سانحۂ جلیانوالہ باغ تھا جب اپریل 1919 میں برطانوی پالیسیز کے خلاف احتجاج کے لیے اکٹھے ہونے والے نہتے شہریوں جن میں بوڑھے بھی شامل تھے پر پولیس نے برطانوی افسر جنرل ڈائرز کے حکم پر فائر کھول دیا ظلم کی انتہا یہ کہ پولیس نے احکامات کے عین مطابق پہلے مظاہرین کو باغ میں اکٹھا ہونے دیا اور پھر باغ کے چاروں داخلی اور خارجی دروازے بند کر دیے اور نہتے شہریوں پر اُس وقت تک گولیاں برسائیں جب تک کہ اُن کی رائفلوں کے لیے اُن کی گولیوں کا ذخیرہ ختم نہ ہو گیا اِس سانحہ میں کتنی ہلاکتیں ہوئیں مختلف رپورٹس میں تضاد پایا جاتا ہے لیکن ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً 1000 لوگ قتل کر دیے گئے اور زخمیوں کی تعداد اِس سے کہیں زیادہ تھی۔

یہ تھا وہ پسِ منظر جس نے برصغیر میں برطانوی قبضے کے بعد پولیس کے ادارے کو عوام کے جان و مال کی حفاظت کرنے اور انہیں امن و سلامتی فراہم کرنے کی بجائے محض ظلم کو نافذ کرنے اور ظلم کی حکومت کا مدد گار ادارہ بنا دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ برطانوی دور میں پولیس کا ظالمانہ کردار تو سمجھ میں آتا ہے مگر 1947 میں برصغیر کی آزادی کے بعد اب بھی یہ ادارہ اُسی ظالمانہ تشخص کے ساتھ کیوں پہچانا جاتا ہے تو اِس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ہم نے 1947 میں برطانوی حکمرانوں کی بلاواسطہ حکمرانی سے تو نجات حاصل کرلی۔ مگر برطانوی استعمار نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے اِس بات کو یقینی بنایا کہ نئی بننے والی ریاستوں یعنی بھارت اور پاکستان میں اقتدار اُس نام نہاد اشرافیہ کے ہی حوالے کیا جائے جو برطانوی نظام تعلیم اور نظام حکومت کی تربیت یافتہ تھی اور مغرب کی فکری یلغار سے انتہائی متاثر اور مرعوب تھی۔ برطانوی سامراج کے لیے زیادہ بڑا مسئلہ برصغیر کی مسلمان آبادی تھی جو انگریز کی ڈیڑھ صدی سے زائد غلامی میں رہنے کے بعد اب اِسلام کی حکمرانی کی طرف لوٹنا چاہتی تھی جبکہ برطانیہ اِس خطّے کو مغرب کی آئیڈیالوجی اور سیکیولر فریم ورک کے تابع ہی رکھنا چاہتا تھا۔ اِسکے لیے ضروری تھا کہ وہ اُس نام نہاد مُسلم اشرافیہ کو ہی اِس خطّے کے مسلمانوں کے لیے واحد نمائندہ بنائے اور برطانیہ جانتا تھا کہ یہ کام صرف اِسلام کا نام استعمال کرکے ہی کیا جاسکتا ہے۔ اِس لیے اِس اشرافیہ نے اِس خطّے کے مسلمانوں کی قیادت حاصل کرنے لیے اِسلام کو ہی ذریعہ بنایا۔ لوگوں کو جلسوں، ریلیوں اور سیاسی اجتماعات میں تقاریر کے ذریعے یہی باور کروایا کہ بننے والی ریاست پاکستان ایک اِسلامی ریاست ہوگی جہاں تمام لوگ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام میدانوں میں صرف اللہ اور اُسکے رسولؐ کے دین کے مطابق

زندگی گزاریں گے لیکن جب ریاستِ پاکستان مشرقی اور مغربی پاکستان کی شکل میں معرضِ وجود میں آئی تو مغرب کی اِس تربیت یافتہ اشرافیہ نے سیکیولرازم کو ہی ریاستِ پاکستان کی بنیاد رہنے دیا۔

نظامِ حکمرانی ہو یا معیشت، معاشرتی نظام ہو یا عدلیہ ہر نظام سے جڑے اداروں جن میں پولیس کا ادارہ بھی شامل ہے، کا بنیادی ڈھانچہ اور برطانوی قوانین پر بنی ان کی عمارت کو چند برائے نام تبدیلیوں کے ساتھ اسی طرح رہنے دیا جس طرح برطانوی استعمار یہاں پر چلا رہا تھا۔ اِسی لیے آج بھی ہم پولیس کے ادارے کو اُسی ظالمانہ تشخص کے ساتھ پاتے ہیں جو برطانوی سامراج کے دور میں اُسکی پہچان تھا۔ آج بھی پولیس کا ادارہ 1861 کا پولیس ایکٹ اور 1934 کے پولیس رولز کے مطابق ہی چلایا جارہا ہے جو برطانیہ نے اِس ادارے کے لیے وضع کیے تھے اور پاکستان کے ماضی اور حال کے حکمران تھانہ کلچر کو تبدیل کرنے کے بڑے بڑے مگر کھوکھلے دعوے کرتے رہے۔ اگرچہ یہ حکمران بڑی اچھی طرح جانتے ہیں کہ پولیس کے نظام یا تھانہ کلچر عوام دشمن ہے اور یہ عوام کو کوئی تحفّظ فراہم نہیں کر سکتا لیکن یہ سیاسی اشرافیہ اور حکمران اس پولیس کو اپنے سیاسی مخالفین کو دبانے اور اپنے اپنے علاقوں کی عوام کو اپنے دباؤ اور کنٹرول میں رکھنے کے لیے اپنے معاون اور آلہ کار کے طور پر استعمال کرتے ہیں لہٰذا اِس ادارے میں کوئی بھی ایسی تبدیلی جو اس ادارے کے اِس کردار کو بدل دے وہ اس سیاسی اشرافیہ کے مفاد میں نہیں۔

آج ہمارے تقریباً تمام سِول اور کرمنل قوانین برطانوی استعمار ہی کی دین ہیں۔ کرمنل پروسیجر کوڈ، سِول پروسیجر کوڈ، قانونِ شہادت - لینڈ ایکیوزیشن ایکٹ تمام کے تمام اسی دور کی پیداوار ہیں کہ

جن کی وجہ سے یہاں کی عوام انصاف کے لیے دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور استعماری بنیاد پر کھڑا پورا عدالتی نظام انہیں یا تو اُن کا حق سِرے سے دے ہی نہیں پاتا یا اِس میں عشرے لگا دیتا ہے اور کئی معاملات میں تو ایک شخص کی زندگی میں دائر کیے گئے مقدمات کا حتمی فیصلہ اُس کے مرنے کے بعد اُسکے بیٹے یا پوتے کی زندگی میں سنایا جاتا ہے۔ قتل کے اَن گنت مقدمات کہ جن میں ملزمان کو محض FIR میں نامزد ہونے پر گرفتار کرلیا گیا 10 ,15 حتیٰ کہ 20 سال کی جیل کی قید بُھگتنے کے بعد شواہد نہ ہونے پر اُن کا باعزت بری ہونا اِس پولیس اور عدالتی نظام کا نہ صرف عوام سے ایک سنگین مذاق ہے بلکہ اِس نظام کے منہ پر خود ایک طمانچہ ہے۔ پاکستان کی پولیس اور عدلیہ کے ظالمانہ پروسیجرل لَاز (قوانین) اور سُست اور نااہل نظامِ عدل کو دیکھ کر ہی یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہاں انصاف حاصل کرنے کے لیے حضرت نوحؑ کی عمر، قارون کا خزانہ اور حضرت ایوبؑ کا صبر چاہیئے۔

پاکستان ہی کے اینٹی کرپشن ڈیپارٹمنٹ نے 2010 میں ریاست کے تمام سرکاری اداروں کے تفصیلی سروے کے بعد جو رپورٹ جاری کی اُس میں پولیس کے ادارے کو پاکستان کا سب سے زیادہ کرپٹ اور بدعنوان ترین ادارہ قرار دیا لیکن یہ بات ہمارے لیے کوئی نئی نہیں نہ ہی یہ کوئی حیرت انگیز انکشاف ہے۔ ہماری سیاسی اشرافیہ نے پاکستان کے غیر اسلامی اور انسانی خواہشات پر مبنی آئین کے ذریعے جو اختیارات پولیس کو دے رکھے ہیں اُن کا نتیجہ پولیس کی کرپشن اور ظلم کی شکل میں ہی سامنے آنا تھا۔ آئین کے کوڈ آف کرمنل پروسیجر کی شق 154 کے تحت پولیس کو کسی بھی شخص کے خلاف FIR درج کرنے کا اختیار ہے جسکے خلاف کوئی بھی شکایت پولیس سٹیشن میں لائی جائے

اِس FIR کے اختیار کو انتہائی استحصالی انداز سے استعمال کیا جاتا ہے اگر تو کوئی غریب یا سیاسی اثر ورسوخ نہ رکھنے والا شخص کسی امیر یا سیاسی طور پر مضبوط شخص کے خلاف شکایت کر کے FIR درج کروانا چاہے تو FIR درج کرنے کی بجائے اِس شکایت کو روزنامچہ میں لکھ دیا جاتا ہے اور شکایت کنندہ کو کبھی بہلا پھسلا کر یا کبھی ڈرا دھمکا کر یہ پوری کوشش کی جاتی ہے کہ اثر ورسوخ رکھنے والے شخص کے خلاف FIR درج نہ ہو کیونکہ شکایت کنندہ کے ساتھ اِس کا خمیازہ اُس تھانے کے SHO کو بھی بُھگتنا پڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر شکایت کنندہ ایک امیر یا سیاسی طور پر مضبوط شخص ہو تو اُسکی FIR فوراًدرج کر کے مخالف شخص کو فوراً گرفتار کیا جاتا ہے چاہے شکایت کنندہ نے اُس شخص پر اپنی ذاتی دشمنی یا اُس کی کسی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی نیت سے ہی جھوٹا الزام لگایا ہو ۔اور اگر کبھی ایسی نوبت آ بھی جائے کہ پولیس کو کسی امیر یا سیاسی طور مضبوط شخص کے خلاف FIR درج کرنی پڑ جائے تو وہ FIR میں ایسے نقائص یا کمزوریاں چھوڑ دیتی ہے جسکا فائدہ اٹھا کر اُسے ضمانت مِل جائے یا عدالت اُس پر کیس ہی بد نیتی پر قرار دے کر اسے رہا کر دے۔ FIR درج کرنے کا مطلق اختیار پولیس کو لوگوں سے بھاری رشوتیں لینے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

2001 کے بعد امریکی حکم پر شروع کی گئی نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کا بہانہ بنا کر پولیس کو یہ اختیار بھی دے دیا گیا ہے کہ وہ کسی کو بھی Arrest Warrant کے بغیر گرفتار کر سکتی ہے۔ اگرچہ قانون کے مطابق پولیس کو گرفتار شدہ شخص کو 24 گھنٹے کے اندر عدالت میں پیش کرنا ہوتا ہے مگر اِن انسانی قوانین میں موجود نقائص پولیس کو یہ موقع فراہم کرتے ہیں کہ اگر وہ گرفتار شدہ یا جبراً اغواء کیے شخص کو مہینوں اپنی قید میں رکھیں اُس پر جسمانی اور ذہنی تشدد کریں اور

پھر عدالت میں پیش کریں تو چونکہ پولیس ہی تفتیشی اتھارٹی ہوتی ہے اور عدالتیں چونکہ تفتیش کے لیے پولیس پر ہی انحصار کرتی ہیں لہٰذا عدالتوں کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی کہ ایک شخص کتنے عرصے سے غائب ہے، جب تک کہ ملزم اس کے سامنے موجود ہے،اور پولیس کے تفتیشی افسر کی طرف سے درج شدہ FIR میں اُس شخص کی گرفتاری پچھلے 24 گھنٹوں کے دوران ہی بتائی جاتی ہے۔

گرفتاری کے دوران بعض اوقات ملزمان کے سہولت کاروں کے نام اُگلوانے یا جرم قبول کروانے کے لیے ملزمان پر بے پناہ تشدد بھی پولیس کا مخصوص طریقہ کار ہے۔ اگرچہ قانون پولیس کو اِس بات کی اجازت نہیں دیتا مگر چونکہ پولیس کے ادارے کو حکمران اپنے مقاصد کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں لہٰذا اِس کو کافی حد تک محاسبے سے آزاد رکھنے کے لیئے اِسکے واضح جرائم پر بھی پردہ ڈال دیتے ہیں تاکہ یہ اہلکار اِن کرپٹ حکمرانوں کے ناجائز مقاصد کے لیے استعمال ہوتے رہیں اور عدلیہ کے سر پر جُوں تبھی رینگتی ہے جب کوئی ملزم دورانِ حراست پولیس کے تشدد سے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے مگر اِس صورتِ حال میں بھی متعلقہ پولیس افسر یا اہلکاروں کو وقتی طور پر معطل کر کے معاملے کو دبا دیا جاتا ہے اور مرنے والے کے لواحقین کو بھی ڈرا دھمکا کر خاموش کروا دیا جاتا ہے۔

پولیس کے ظلم کی ایک بدترین مثال پولیس کی طرف سے پولیس مقابلوں میں ماورائے عدالت قتل ہیں۔ عام طور پر پولیس کو Self Defense کے پیش نظر یا ملزم کے فرار ہونے کی کوشش کی صورت میں یا کسی کی جان بچانے کیلئے ملزمان پر اس طرح فائرنگ کرنے کی اجازت ہوتی ہے کہ ممکنہ حد تک ملزم کو صرف زخمی کیا جائے اور اِسکی جان نہ جائے لیکن پاکستان جیسے ممالک میں یہ

پولیس مقابلے زیادہ تر جعلی ہی ہوتے ہیں اور اِن میں جان بوجھ کر ملزمان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ صرف 2015 کی میڈیا رپورٹس کے مطابق ہی پاکستان میں صرف ایک سال میں کُل 2108 مرد ملزمان اور 7 عورتوں کو پولیس مقابلوں میں قتل کر دیا گیا جبکہ اتنی بڑی تعداد کا تقریباً 33 فیصد حصّہ یعنی 696 ملزمان صرف کراچی میں ہی قتل کیے گئے اور حیران کُن حد تک 95 فیصد پولیس مقابلوں میں کوئی پولیس اہلکار ہلاک تو دور کی بات زخمی تک نہ ہوا۔ سانحۂ ساہیوال اور کراچی کے نقیب اللہ محسود قتل کیس اس ظالمانہ پریکٹس کی بدترین اور ہائی پروفائل مثالیں ہیں ۔سانحۂ ساہیوال جس میں صرف ایک شخص کے مجرم ہونے کے شک میں اُسکے دوست اور اُسکے خاندان کو بھی قتل کر دیا گیا جبکہ نقیب اللہ محسود قتل کیس میں ملوّث بدنامِ زمانہ پولیس افسر راؤ انوار کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اُس نے لاتعداد جھوٹے پولیس مقابلوں میں 400 سے زائد لوگوں کو قتل کروایا اِس کے باوجود سندھ کی حکومتی پارٹی کے چیئرمین آصف زرداری کی طرف سے راؤ انوار جیسے قاتل کو 'بہادر بچہ' کہا گیا۔ نقیب اللہ کے والد بھی انصاف کے انتظار میں اِس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن دن دیہاڑے اِن مظالم کے برپا ہونے کے باوجود اِس سرمایہ دارانہ نظام نے اِن مظالم برپا کرنے والوں کو رہا کر دیا باعزت بری کر دیا کیونکہ ان سمیت اور بہت سارے ایسے واقعات میں ریاست کے حکمران اور ریاستی ادارے بالواسطہ یا بلاواسطہ خود بھی شامل ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو پولیس کے اہلکاروں کو بچانے کے لیے Good Faith میں گولی چلانے کے مبہم اور گھٹیا جواز کو استعمال کیا جاتا ہے۔ کئی مرتبہ تو جھوٹے پولیس مقابلوں میں ملزمان کو قتل کرنے کو اعلیٰ افسران کی طرف سے Justify کیا جاتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ کیونکہ ریاست کی طرف

سے پولیس کے تفتیشی طریقہ کار کو جدید بنانے ، پولیس کی تفتیشی مہارت بڑھانے اور Forensic شواہد کو بہترین انداز سے استعمال کرنے کے لیے پولیس کی جدید خطوط پر ٹریننگ نہیں کی جاتی اور نہ ہی ایسے مقاصد کے لیے فنڈز مختص کیے جاتے ہیں لٰہذا اِن کمزوریوں کا فائدہ خطرناک ملزمان اٹھاتے ہیں اور پولیس کے ناقص تفتیشی طریقہ کار کی وجہ سے عدالتیں اِن خطرناک ملزمان کو شواہد نہ ہونے کی بنا پر رہا کر دیتی ہیں۔ اگر ایسے ملزمان کو زندہ رہنے دیا جائے تو یہ معاشرے میں مزید فساد پھیلانے کا ذریعہ بنتے ہیں لٰہذا اِنہیں جعلی مقابلوں میں مار دینا ہی بہتر ہے۔ یہ Justification اپنی نا اہلی، جعلی پولیس مقابلوں اور نظام کے فرسودہ ہونے کا اعتراف ہے اوراس بات کا ثبوت بھی کہ اِس انسان کے بنائے سرمایہ دارانہ نظام میں موجود کمزوریوں اور نقائص سے فائدہ اٹھا کر حکمران اور ریاستی اداروں کے اہلکار خود بھی اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں اور اپنی ہی عوام کہ جن کی حفاظت اُن پر فرض ہے اُنہیں ظلم کا نشانہ بناتے ہیں کیونکہ ان جعلی مقابلوں میں مجرم ہی نہیں بلکہ کئی بے گناہ لوگ بھی ٹھکانے لگا دیے جاتے ہیں۔

پاکستان کے پولیس نظام نے تھانے کے SHO کو ایک طرح سے جج یا قاضی کا کردار بھی سونپ رکھا ہے۔ SHO اس بات کا مجاز ہوتا ہے کہ اپنے علاقے میں دو اشخاص یا دو گرہوں میں ہونے والے تنازعہ کا اپنی عقل، سمجھ اور اختیار کے مطابق تصفیہ کرا دے اور اِس مقصد کے لیے کبھی تو وہ کمزور غریب یا سیاسی اثر ور سوخ نہ رکھنے والے ایک شخص یا گروہ پر دباؤ ڈال کر اور کبھی دوسرے امیر طاقتور اور سیاسی اثر ور سوخ رکھنے والے شخص یا گروہ سے ناجائز فوائد اٹھا کر اس کی ایماء پر اپنے فیصلہ کو تھوپنے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی کبھار SHO اِس طرح کے معاملات میں دونوں

گروہوں سے مالی فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر اپنے فیصلہ سے اُس گروہ کو فائدہ پہنچادیتاہے جو اُسے مالی اعتبار سے زیادہ بڑی پیشکش کرتاہے۔ جب کہ بعض اوقات دو اشخاص یا گروہ خود SHO سے اپنے جھگڑے یاتنازعہ کے تصفیہ کی درخواست کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر معاملہ عدالت میں گیاتو کئی سال تک اُنہیں انصاف نہیں مِل پائے گا اور عدالتی اور وکلاء کے اخراجات علیحدہ سے ہوں گے۔ وجہ کوئی بھی ہو ایک پولیس اہل کار کو دو اشخاص یا گروہوں کے درمیان فیصلہ کا اختیار دینا اِس سُست اور مہنگے عدالتی نظام کی دقیانوسیت کا بہت بڑا ثبوت بھی ۔عدالتیں خود بھی اِس عمل کو اس لیے نہیں روکتیں کیونکہ وہ بھی اپنے سُست اور بوسیدہ نظام کی وجہ سے ہمیشہ Over Burdened رہتی ہیں اور چاہتی ہیں کہ اُن پر مزید بوجھ نہ پڑے۔ اِس فرسودہ عدالتی نظام پر یہ عوام کا عدم اعتماد ہی ہے کہ پاکستان کے زیادہ تر دیہاتی علاقوں میں لوگ اپنے جھگڑے پنچایت یا جرگہ کے نظام کے تحت کروانا پسند کرتے ہیں کیونکہ وہاں وقت اور پیسے کا ضیاع نہیں ہوتا، مگر اِن پنچایتوں اور جرگوں میں بھی بعض اوقات عدل کے نام پر ظلم بانٹا جاتا ہے جن پر کبھی کبھار ہماری سوئی ہوئی عدلیہ اچانک جاگ کر ازخود نوٹس لے لیتی ہے۔ دیہاتی علاقوں میں اکثر لوگوں کا عدالتی نظام کی بجائے جرگوں اور پنچایتوں کو ترجیح دینے کے باوجود ہمارا عدالتی نظام اتنا Over Burdened ہے کہ اِس میں لاکھوں کی تعداد میں کیسز التواء کا شکار رہتے ہیں اور زیرِ سماعت کیسز کچھوے کی رفتار سے رینگ رہے ہوتے ہیں مگر اِس ظلم پر مزید ظلم یہ کہ ہائی کورٹ کے ججوں کو گرمیوں میں دو مہینے اور سپریم کورٹ کے ججوں کو تین مہینے اور اسی طرح سردیوں میں پندرہ دن کی چھٹیاں تحفہ میں دے کر عدالتی نظام کو مزید ٹھپ کر دیا جاتا ہے اور اِن چھٹیوں میں

بیچاری عوام اِن ججوں کی واپسی کی راہ تکتی رہتی ہے۔ قومی اور مذہبی تہواروں اور اتوار کے دنوں میں دی جانے والی چھٹیاں اس کے علاوہ ہیں اور یہ تعطیلات اس حقیقت کے باوجود دی جاتی ہیں کہ سپریم کورٹ سمیت پاکستان کی تمام عدالتوں میں زیر التواء کیسوں کی کل تعداد، لاء اینڈ جسٹس کمیشن آف پاکستان کی 2019 کی رپورٹ کے مطابق 19 لاکھ سے زائد ہے۔

پولیس کے اِس تعفن زدہ اور فرسودہ نظام کو بدلنے کے نام پر، قیام پاکستان سے اب تک درجنوں رپورٹیں اور تجاویز مرتب ہو چکی ہیں، عوامی نمائندوں اور پولیس کے نظام سے جڑے ہوئے ماہرین پر مشتمل کمیٹیوں کے علاوہ 90-1989 میں برطانوی، 1995 میں اقوام متحدہ، 1996 میں جاپان اور 1999 میں کولمبیا کی جانب سے غیر ملکی ماہرین پر مشتمل وفود سے پولیس نظام میں اصلاحات کے لیے تجاویز لی گئیں اور رپورٹیں مرتب کی گئیں۔ اِسکے علاوہ مشرّف نے Police Order 2002 جاری کیا جس میں یہ دعوٰی کیا گیا کہ پولیس کے محاسبے کو یقینی بنانے، اِسے غیر ضروری سیاسی دباؤ سے آزاد کرنے، اِسے عوام دوست بنانے اور عوامی مسائل حل کرنے کی خاطر پولیس کی صلاحیت بڑھانے کے لیے یہ Police Order ایک اہم پیش رفت ثابت ہو گا اور اِس سلسلے میں آخری اقدام سابق چیف جسٹس ثاقب نثار نے کیا جب 19-2018 میں اُن کی قیادت میں وزارتِ قانون کے ماہرین اور موجودہ اور ریٹائرڈ IGs پر مشتمل Law and Justice Commission نے Police Performs—The Way Forward کے نام سے 8 ماہ میں ایک رپورٹ تیار کی لیکن پچھلے 73 سال میں کی گئی یہ تمام کوششیں، اگر انہیں وقتی طور پر مخلصانہ اور عرق ریزی پر مبنی سمجھ لیا جائے، تب بھی وقت، پیسے اور صلاحیتوں کے ضیاع کے علاوہ کچھ

ثابت نہ ہوئیں۔ اِسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انسانی مسائل کے حل کے لیے صرف انسانی عقل اور اِنسان کے بنائے ہوئے نظام پر ہی بھروسہ کیا جاتا ہے اور وحی سے کوئی رہنمائی نہیں لی جاتی جبکہ دوسری طرف اگر انتظامی یعنی Administrative معاملات میں کچھ بہتری کی گنجائش ہو بھی تو وہ بھی ہماری جمہوری اور سرمایہ دارانہ سیاسی اشرافیہ کی پولیس کو اپنے سیاسی کنٹرول میں رکھنے کی ضد اور اِسکے ذریعے اپنے اپنے علاقوں میں پولیس کے ذریعے اپنے اثرورسوخ کو بڑھانے کی خواہش کی وجہ سے پولیس میں اصلاح ممکن نہیں ہوپاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکوئں، چوروں اور دوسرے جرائم پیشہ افراد کے ظلم سے عوام کو بچانے اور معاشرے میں جرائم کو کم کرنے کے لیے پولیس کو جدید ٹیکنالوجی اور ہتھیاروں سے نہ تو لیس کیا جاتا ہے اور نہ ہی اِس ادارے کے اپنے بے شمار مسائل کو حل کرنے کے لیے کوئی خاطر خواہ فنڈز مختص کیے جاتے ہیں کیونکہ حکمرانوں کے لیے اِن کاموں پر پیسہ خرچ کرنا زیادہ فائدہ مند نہیں بلکہ شہروں میں سڑکیں، پُل، انڈر پاسز، موٹرویز ، میٹروبس اور اورنج لائن ٹرین زیادہ مفید منصوبے ہیں کیونکہ اِن میگا پراجیکٹس سے متاثر ہوکر عوام انہیں ووٹ دیتے ہیں۔

یہ تمام بحث اِسی نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ پاکستان کے جمہوری اور سرمایہ دارانہ نظام میں عوام کا مفاد، اِسکا امن اور تحفظ یقینی نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ یہ نظام صرف ایک مخصوص ٹولے کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔ یہ صرف اِسلام کا نظامِ خلافت ہی ہو گا جو باقی شعبوں میں بنیادی اور انقلابی تبدیلی لانے کے ساتھ ساتھ پولیس کے نظام کو بھی ریاست کے اندر اِسلامی آئیڈیالوجی کے نفاذ، حفاظت اور عوام کے جان، مال اور عزت کی حفاظت اور امن وسلامتی کو یقینی بنانے کے لیے از سرِ نو ترتیب دے گا۔

اِسلام میں پولیس جسے شُرطہ بھی کہا جاتا ہے اِسکی دو اقسام ہیں ایک عسکری پولیس اور دوسری وہ پولیس جو حکمران کے ساتھ اُسکے احکامات کی تنفیذ کے لیے موجود ہوتی ہے اور امن قائم رکھنے کے لیے اُسکا مخصوص لباس اور علامات ہوتی ہیں۔ عسکری پولیس فوج اور امیر جہاد یعنی شعبہ ٔحرب کے ماتحت ہوتی ہے۔ حکمران کے ساتھ رہنے والی پولیس شعبہ ٔ امنِ داخلی (Department of Internal Security) کے ماتحت ہوتی ہے امام بخاری نے انسؓ سے روایت کیا ہے ((ان قیس ابن سعد کان یکون بین یدی النبی بمنزلة صاحب الشرط من الامیر)) "قیس بن سعدؓ رسول اللہؐ کے ساتھ ایسے رہا کرتے تھے جیسے ایک امیر (حاکم) کے ساتھ رئیسِ شرطہ ہوتا ہے۔"

شعبہ امنِ داخلی کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ریاست کے اندر امن و سلامتی کو قائم رکھے جن چیزوں سے داخلی امن و سلامتی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے وہ حسبِ ذیل ہیں: اسلام سے ارتداد اور یاست سے بغاوت یا خروج جسکا اظہار تخریب کاری اور سبوتاژ کی شکل میں ہو مثلاً عمارتوں کو نقصان پہچانا، ہڑتالیں، توڑ پھوڑ۔ انتشار، ریاست کے اہم مراکز پر قبضہ کرنا یا وہاں لوگوں کو یرغمال بنانا، ذاتی عوامی اور ریاستی املاک کے خلاف جارحیت یا مسلح لڑائی کے ذریعے ریاست کے خلاف بغاوت وغیرہ اِسی طرح حرابہ یعنی راہ زنی، لوگوں کا مال لوٹنے کے لیے ڈرانا دھمکانا، لوگوں کے اموال کی چوری، لوٹ مار، ڈکیتی، دھوکہ دہی، لوگوں کی املاک پر قبضہ، لوگوں کو مارنا، زخمی کرنا یا قتل کرنا، لوگوں کی آبرو پر حملہ کرنا جیسا کہ اُن پر تہمت لگانا، اُن کے بارے میں غلط باتیں مشہور کرنا اور زنا جیسے معاملات بھی اِن امور میں شامل ہے جو داخلی امن و سلامتی کے لیے خطرہ ہوتے ہیں۔ نیز مشکوک لوگوں پر نظر رکھنا اور اُن سے نپٹ کرامت اور ریاست کو لاحق خطرات کا ازالہ کرنا بھی

محکمۂ امنِ داخلی کی ذمہ داریوں میں شامل ہے اوراِن تمام خطرات سے نپٹنے کے لیے یہ محکمۂ صرف پولیس پر ہی انحصار کرتا ہے اور اگر حالات زیادہ خراب ہو جائیں یا کوئی معاملہ زیادہ سنگین صورتِ حال اختیار کر جائے تو محکمہ داخلی امن خلیفہ سے درخواست کر کے فوجی مدد بھی طلب کر سکتا ہے۔

اِن تمام خطرات سے ریاست اور امت کی حفاظت اِس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ پولیس فورس کی انتہائی پیشہ وارانہ انداز اور اعلیٰ معیار کی جسمانی اور ذہنی تربیت کی جائے اور اِسے اِس جدید دور کی ایک انتہائی مستعد اور جدید فورس بنایا جائے جو کہ اپنے آپ کو اِسلامی آئیڈیالوجی کی محافظ اور عوام کی جان، مال اور عزت کی حفاظت اپنا شرعی فریضہ سمجھتی ہو۔ پولیس فورس کے فرائض منصبی کا یہ اہم ترین پہلو آج کی پولیس میں ہمیں سِرے سے ہی نظر نہیں آتا اور جہاں تک اُن کی ٹریننگ کا تعلق ہے وہ موجودہ پولیس کو اوپر بیان کردہ چیلنجز کا کامیابی سے سامنا کرنے کے قابل نہیں بناتی کیونکہ پولیس افسران اور عام اہلکاروں کی ریکروٹمنٹ (بھرتی) سے لے کر ٹریننگ تک کا سارا عمل برطانوی سامراجی دور کا ہے۔ یہاں پر اعلیٰ افسران کو سِول سروسز کے امتحانات کے ذریعے بطور ASPs بھرتی کیا جاتا ہے جب یہ اپنی عمر کے 27,28سال یا اِس سے بھی زیادہ گزار چکے ہوتے ہیں اور اِن میں سے زیادہ تر پولیس سروس کو کسی اعلیٰ مقصد کے لیے نہیں بلکہ معاشرے میں مادی اعتبار سے ایک بلندStatus حاصل کرنے اور ایک ایسا طاقتور مقام حاصل کرنے کے لیے جوائن کرتے ہیں جہاں پر اِس ادارے کے ساتھ جُڑی ہوئی طاقت انہیں باقی معاشرے میں دوسروں سے برتر بنائے۔ دراصل فوج اور پولیس دونوں ہی ادارےCareer Oriented نہیں بالکل بنیادی طور پر یہ Service Oriented ادارے ہیں جی ہاں ایک ایسی Service (خدمت) جو ایک

آئیڈیالوجی کو بیرونی طور پر دوسری اقوام تک پہنچانے اور Internally اُس آئیڈیالوجی کے نفاذو حفاظت اور ریاست کے اندر امن و سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے درکار ہوتی ہے۔ اور اِن دونوں اداروں کی ٹریننگ بھی اِسی انداز سے ہونی چاہیے کہ یہ اپنے اِس بنیادی کردار کو نہ صرف پہچانیں بلکہ اِسے پورا بھی کریں۔ گو کہ ہماری فوج بھی اِس وقت کسی مبدا یا آئیڈیالوجی پر نہیں کھڑی لیکن انتظامی اور نتائج کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو فوج کا ادارہ ہمیں پولیس کی نسبت کہیں زیادہ مستعد، فعال اور منظم نظر آتا ہے۔ اِسکی کچھ سیاسی وجوہات ہیں مگر اِس کی ایک انتظامی وجہ فوجی افسران اور اہلکاروں کی بھرتی اور ٹریننگ کا نظام ہے۔ اِن افسران اور جوانوں کو اِن کی نوجوانی کی عمر یعنی 16,17 سال میں بھرتی کر کے انہیں ایک خاص انداز سے کچھ سالوں تک ٹریننگ دی جاتی ہے عام طور یہ عمر کا وہ بہترین حصّہ ہوتا ہے کہ اگر تربیت کا انداز صحیح ہو اور ایک اعلیٰ مقصد کے لیے ہو تو انسان کا ذہن اپنے آپ کو ایک فکر کے مطابق ڈھالنے کے لیے آسانی سے تیار کر لیتا ہے۔ اور اِسی فکر پر وہ اپنی زندگی میں اعمال کی بنیاد بھی رکھ دیتا ہے۔ اِسلامی ریاست میں ویسے بھی 15 سال کے مردوں کے لیے لڑنے کی تربیت حاصل کرنا فرض ہے اگر اُسی وقت اِن نوجوان مردوں کی ذہنی صلاحیت، IQ Level اور ذہنی رجحان دیکھ کر فوج اور پولیس کے اداروں کے لیے انہیں منتخب کر لیا جائے اور نظریاتی خطوط کے ساتھ ساتھ بہترین جسمانی تربیت بھی دی جائے تو نہ صرف یہ کہ اپنی ٹریننگ کے بعد یہ اِس قابلِ ہوں گے کہ اِسلامی آئیڈیالوجی کے مطابق اپنے اپنے اداروں سے جڑے فرائض منصبی ادا کر سکیں بلکہ انتظامی طور پر بھی بہترین نتائج دے سکتے ہیں۔ خلافت میں پولیس کے ادارے کو، ماضی کے ظالمانہ تشخص اور برطانوی راج کے اثرات سے

مکمل طور پر پاک کرنے کے لیے، تربیت کے دوران ان کے پیشے کے اعتبار سے جائزاور ناجائز اور انسانی اور اخلاقی اقدار سے شرعی احکامات کی روشنی میں روشناس کرایا جائے گا۔ تاکہ وہ عوام کو ڈرانے دھمکانے، ملزمان پر تشدّد کرنے اور جعلی پولیس مقابلوں میں ماورائے عدالت قتل جیسے غیر شرعی اعمال اور کبیرہ گناہوں پر مشتمل اپنے ماضی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پیچھا چھڑا سکیں اور انسانی جان کی قدرو قیمت کو پہچان سکیں۔ جہاں تک پولیس کو ایک جدید فورس بنانے اور انہیں بہترین ہتھیاروں اور ٹیکنالوجی سے آراستہ کرنے کی بات ہے تو ریاستِ خلافت " مالا یتیم الواجب اِلا بہ فھو واجب " "جس چیز کے بغیر واجب پورا نہ ہو سکتا ہو تو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے" کے شرعی قاعدہ کی روشنی میں یہ یقینی بنائے گی کہ اِس کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے تاکہ یہ ادارہ حقیقی معنوں میں وہ کردار ادا کرے جو اِسلام اِس فورس سے چاہتا ہے۔

موجودہ نظام میں SHO کو دو لوگوں اور گروہوں کے درمیان کسی تنازعے کو طے کرنے کا ایک جج یا قاضی جیسا جو اختیار حاصل ہے وہ اِسلام میں جائز نہیں۔ پولیس کا کام عدالت کے احکامات کی تنفید (Implementation) یا قاضی کے کہنے پر کسی معاملے کی تفتیش میں مدد فراہم کرنا ہے ریاست خلافت اِسے اِسی کام تک محدود رکھے گی۔ جہاں تک قاضی کی طرف سے دو لوگوں اور گروہوں کے درمیان صلح کروانے کے اختیار کا تعلق ہے تو یہ صلح بھی صرف انہیں معاملات میں کروانے کی اجازت ہے جہاں پر شرع نے اس بات کی اجازت دی ہے اور وہ صلح بھی صرف اِسلام کی شرائط کے مطابق ہی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عدالت کا کام صلح کرانا نہیں ہوتا بلکہ دو فریقین کے درمیان تنازعے کا اسلام کی بنیاد پر فیصلہ صادر کرنا ہوتا ہے۔ حدیث نبویؐ ہے ((**الصلح جائز بین المسلمین الا صلحا حرم حلالا او احل حراما والمسلمون علی شروطھم**

الا شرط حرم حلالا او احل حراما)) "مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے سوائے اُس کے کہ جو شرعی کو غیر شرعی بنادے اور غیر شرعی کو شرعی اور مسلمان (اس صلح میں) اپنی شرائط پر قائم رہنے کے پابند ہیں سوائے اُن شرائط کے کہ جو شرعی کو غیر شرعی بنادے اور غیر شرعی کو شرعی۔"(ترمذی)

اِسی طرح FIR درج کرنے کا اختیار پولیس کے پاس ہونا درست نہیں اور کسی کو محض شک کی بنیاد پر گرفتار کرنا غیر شرعی ہے۔ یہ اختیارات موجودہ نظام میں مظلوم اور انصاف کے درمیان بہت بڑی رُکاوٹ ہیں۔FIR شکایت کنندہ کی شکایت کے بعد پولیس کی ابتدائی تفتیش پر پولیس کا موقف ہوتا ہے جبکہ اِس میں شکایت کنندہ کی اصل شکایت یا الفاظ پولیس اپنے انداز سے تحریر کرتی ہے ۔ریاستِ خلافت میں شکایت کنندہ یا مظلوم سیدھا عدالت جا کر اپنی شکایت خود یا اپنے وکیل کے ذریعے درج کروا سکے گا اور عدالت سے انصاف حاصل کر سکے گا۔ یعنی مظلوم اور عدالت کے درمیان سے پولیس اور تھانہ کی رکاوٹ ختم ہو جائے گی۔

اِسی طرح موجودہ نظام میں یہ ظلم کہ ایک بااثر شخص اپنی ذاتی دشمنی کی بناء پر کسی کے خلاف جھوٹی FIR درج کروا دیتا ہے اور پولیس اِسی جھوٹی FIR کی بناء پر اُسکو حراست میں لے لیتی ہے، تنازعات کے معاملے میں FIR کا اختیار پولیس سے لے لینے کے بعد ریاستِ خلافت میں اِس ظلم کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ پولیس کسی باہمی تنازعے کی صورت میں صرف عدالت کے حکم پر ہی کسی سے تفتیش کرنے کی مجاز ہوتی ہے اور اِس تفتیش کے دوران وہ ملزم کو تشدّد کا نشانہ ہر گز نہیں بنا سکتی کیونکہ یہ شرعاً حرام ہے۔ امام مسلم نے رسول اللہؐ کی حدیث نقل کی ہے ((کل المسلم علی

المسلم حرام دمه وماله وعرضه))"ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، اُسکی عزت اور مال حرام ہے۔"ہاں البتہ ریاستِ خلافت اِس بات کو یقینی بنائے گی کہ پولیس کے تفتیشی افسران اور اہلکاروں کو تفتیش کے جدید ترین طریقوں سے آراستہ کیا جائے اور انہیں Forensic Evidences کی جانچ پڑتال کی مہارت حاصل کرنے کے لیے بہترین انداز سے ٹریننگ دی جائے تا کہ وہ اپنی تفتیش کے ذریعے معاملات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت حاصل کریں اور عدالت کے بہترین معاون ثابت ہوں جبکہ عوام پولیس کی جانب سے کسی بھی زیادتی کی صورت میں محکمۃ المظالم میں شکایت کر سکیں گے۔ دوسری طرف ہمیں یہ بات بھی ذہن رکھنی چاہیے کہ اسلام میں یہ قاضی کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود معاملے کی تہہ تک پہنچے، خود ملزم سے سوال کرے اور اُس کی طرف سے جوابات کو اچھی طرح پرکھے اور خود تمام حقائق کی جانچ پڑتال کرے گو کہ اس ضمن میں اگر اُسے کسی پہلو کی مزید تفتیش درکار ہو تو وہ پولیس کو احکامات صادر کر سکتا ہے جو تفتیش کے بعد اپنے دریافت کردہ حقائق قاضی کے سامنے لے کر آئے گی۔ موجودہ عدالتی نظام میں ایک جج تفتیش کے لیے پولیس پر مکمل انحصار کرتا ہے اور فیصلہ دینے کے لیے دونوں طرف کے وکلاء کے دلائل کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر کوئی وکیل عدالت کے سامنے موثر دلائل دینے اور عدالت کو اپنی چرب زبانی سے متاثر کرنے میں کامیاب ہو جائے تو فیصلہ اُس کے حق میں دے دیا جاتا ہے چاہے حقیقی معنوں میں وہ کسی گناہ گار ہی کی وکالت کر رہا ہو۔ اور اِسی مہارت کو حاصل کرنے کے بعد وکلاء مظلومین اور سائلین سے انتہائی مہنگی فیسوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جس سے انصاف حاصل کرنا مشکل کے ساتھ مہنگا بھی ہو جاتا ہے۔ اِس ضمن میں آخری لیکن اہم بات یہ

بھی ہے کہ اگر ریاست معاشرے میں جرائم کی وجوہات کو ختم نہ کرے تو پھر چاہے پولیس کا ادارہ کتنا ہی مستعد اور جدید کیوں نہ ہو مجرموں کو قابو کرنے اور جرائم کی روک تھام میں ناکام ہی نظر آئے گا جیسا کہ ہمیں مغربی ممالک میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اگر معاشرے میں رہنے والے افراد کی بنیادی ضروریات کو پورا نہ کیا جائے، مادی اشیاء اور آسائشوں کی میڈیا کے ذریعے بے جا تشہیر کی جائے، فحاشی اور عریانی کو میڈیا پر آزادی اور گلیمر جیسے ناموں سے منسوب کیا جائے، عورت کی خوبصورتی اور جسم کو نمائشی چیز بنا دیا جائے، معاشرے میں رہنے والے عام لوگ اِس بات کا سرِ عام مشاہدہ کریں کہ طاقت اور دولت ہی دنیا میں عزت، مرتبہ اور سب کچھ حاصل کرنے کے ذرائع ہیں اور اِن تمام باتوں کے بعد پھر یہ امید کی جائے کہ لوگ جرائم کی طرف راغب نہ ہوں تو یہ سراسر حماقت اور جہالت ہے اِسکے برعکس اِسلام میں جرائم کی روک تھام کا منفرد نظام ہے۔ اِسلام سب سے پہلے معاشرے میں پائی جانے والی اُن وجوہات کی سرکوبی کرتا ہے جن کی وجہ سے جرائم جنم لیتے ہیں۔ اِسلام کے معاشی قوانین جہاں ایک طرف غربت کو ختم کرتے ہیں وہیں اِسکا معاشرتی یا اجتماعی نظام معاشرے میں مرد و عورت کا بے جا اختلاط ختم کر کے معاشرے میں جنسی بے راہ روی کا سدِّباب کرتا ہے، دولت اور طاقت کے حصول کی بجائے لوگوں میں تقویٰ کے حصول کو کامیابی کا معیار قرار دیتا ہے اور اِسے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے واحد ذریعہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اِسلامی ریاستِ خلافت میں تعلیمی نظام اور میڈیا کو اِس انداز سے استعمال کیا جائے گا کہ لوگ صراطِ مستقیم پر چلنا اپنی زندگی کا شعار بنائیں اور خدا کے خوف کی وجہ سے گناہوں اور جرائم سے دور رہیں اِس طرح برائی کا جڑ سے خاتمہ کیا جاتا ہے جبکہ سزاؤں کو آخری حربے کے طور

پر استعمال کیا جاتا ہے۔ امام احمد اور امام ترمذی نے رسول اللہ ﷺ کی اِس حدیث کو نقل کیا ہے ((**ادرؤ الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلو سبيله فان الامام ان يخطئ فی العفو خير من ان يخطئ فی العقوبة))** "حدود کو جس حد تک ممکن ہو روکو، اگر تم مسلمان کے لیے راستہ نکال سکو تو اُسے آزاد کر دو، قاضی کے لیے بہتر ہے کہ وہ مجرم کی معافی میں غلطی کر دے بجائے اِسکے کہ وہ ایک معصوم کو سزا سنا دے۔" لیکن اِسکے ساتھ ساتھ اگر کسی پر جُرم ثابت ہو جائے تو اُسے شرع کی روشنی میں قرار واقعی سزا دی جاتی ہے تاکہ معاشرہ جُرم سے نفرت کرے اور سزا سے عبرت حاصل کرے جبکہ یہ شرعی سزائیں اُس مجرم کے لیے یومِ آخرۃ دنیا میں توبہ کی صورت میں اُسکے گناہ کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ((**بايعونی۔۔۔۔۔ فمن وفی منكم فاجره علی الله ومن اصاب من ذلك شيئا فعوقب فی الدنيا فهو كفارة له۔۔۔))** "مجھے بیعت دو۔۔۔۔ جو کوئی بھی اپنی بیعت پوری کرے گا تو اِس کا اجر اللہ سے پائے گا اور اگر کوئی شخص کوئی گناہ سرزد کر بیٹھے اور پھر اِسکی شرعی سزا پالے تو یہ (یومِ آخرت) اِس گناہ کا کفارہ بنے گا۔۔۔" (بخاری)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں ہماری زندگی میں اِسلام کی بنیاد پر قائم ایک متقی معاشرے میں رہنے کی سعادت عطا فرمائے اور ہمیں ہماری صلاحیتیں، جان اور مال اِسلام کے نظامِ حکمرانی کو قائم کرنے اور پھر اس کے استحکام کے لیے وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ختم شد

سوال وجواب : آخرت کے شہید کون ہیں؟اور شہید کا قرض کون ادا کرتا ہے؟

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ

اسلامی شخصیہ جلد دوئم کے صفحہ نمبر 165 پر "شہید" کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے کہ "۔۔۔ آخرت کے شہید کے حوالے سے مستند رائے، جیسا کہ مسلم میں روایت کیا گیا، وہ یہ ہے کہ ایسے شہداء پانچ ہیں: المطعون: وہ جو طاعون کی حالت میں موت کا شکار ہوا یعنی کے معلوم وبائی مرض سے موت کا شکار ہوا، المبطون: جو اسہال (ڈائیریا) کی وجہ سے موت کا شکار ہوا، الغرق: وہ شخص جو پانی میں ڈوب کر موت کے منہ میں چلا گیا، المهدوم: جو عمارت کے ملبے تلے دبنے سے موت کا شکار ہوا، اور وہ جو اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی جدوجہد میں میدان جنگ میں مارا گیا"۔ اس کے علاوہ ایک اور حدیث میں کہا گیا ہے کہ شہید صرف وہ ہے جو میدان جنگ میں اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا مارا جائے۔ جبکہ عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، « خَمْسٌ مَنْ قُبِضَ فِي شَيْءٍ مِنْهُنَّ فَهُوَ شَهِيدٌ: الْمَقْتُولُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالْغَرِقُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالْمَبْطُونُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالْمَطْعُونُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالنُّفَسَاءُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ» "پانچ حالتیں ہیں ان میں سے کسی بھی ایک حالت پر بھی مرنے والا شہید ہو گا، جو اللہ کے راستے (جہاد) میں نکلا

اور قتل ہو گیا تو وہ شہید ہے، جو جہاد میں نکلا اور ڈوب کر مر گیا تو وہ شہید ہے، جو جہاد میں نکلا اور دست میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گیا تو وہ بھی شہید ہے، جو جہاد میں نکلا اور طاعون میں مبتلا ہو کر مر گیا وہ بھی شہید ہے، عورت (شوہر کے ساتھ جہاد میں نکلی) اور حالت نفاس میں مر گئی تو وہ بھی شہید ہے "(صحیح)۔ سوال یہ ہے کہ ان دو احادیث کا آپس میں کوئی تعلق بنتا ہے یا یہ ایک دوسرے سے ٹکراتی یعنی متضاد ہیں؟ برائے مہربانی اس معاملے کی وضاحت فرمادیں۔

دوسرا سوال: اسی شہید کے مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ» "شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے قرض کے"۔ سوال یہ ہے کہ اگر شہید اپنی شہادت کے بعد اپنا قرض واپس نہیں کر پاتا تو پھر کس کو اس کی شہادت کے بعد اس کا قرض واپس کرنا چاہیے؟ پیشگی شکریہ۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاۃ

پہلے شہدا کے حوالے سے:

1۔ مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، »بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ وَقَالَ الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ الْمَطْعُونُ وَالْمَبْطُونُ وَالْغَرِقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ« "ایک شخص جا رہا تھا، اس نے راہ میں ایک کانٹے کی ڈالی دیکھی، اس نے وہ ہٹا دی، اللہ تعالیٰ نے اس کا بدلہ دیا اور اس کو بخش دیا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: شہید پانچ

ہیں جو طاعون (وبا یعنی جو مرض تیزی سے پھیل جائے) سے مرے، جو پیٹ کے عارضے سے مرے (جیسے اسہال یا پیچش یا استسقا سے)، جو پانی میں ڈوب کر مرے، جو دَب کر مرے، جو اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کرتا ہوا) مارا جائے"۔

2۔ عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، »خَمْسٌ مَنْ قُبِضَ فِي شَيْءٍ مِنْهُنَّ فَهُوَ شَهِيدٌ: الْمَقْتُولُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالْغَرِيقُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالْمَبْطُونُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالْمَطْعُونُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالنُّفَسَاءُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ« "پانچ حالتیں ہیں کہ ان میں سے کسی بھی ایک حالت پر مرنے والا شہید ہو گا، جو اللہ کے راستے (جہاد) میں نکلا اور قتل ہو گیا تو وہ شہید ہے، جہاد میں نکلا اور ڈوب کر مر گیا تو وہ شہید ہے، جہاد میں نکلا اور دست میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گیا تو وہ بھی شہید ہے، جہاد میں نکلا اور طاعون میں مبتلا ہو کر مر گیا وہ بھی شہید ہے، وہ عورت جو جہاد میں نکلی اور حالت نفاس میں مر گئی تو وہ بھی شہید ہے" (النسائی / الطبرانی)۔

3۔ ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ مسلم کی حدیث مطلق ہے: »الْمَطْعُونُ وَالْمَبْطُونُ وَالْغَرِقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ« "جو طاعون، پیٹ کے عارضے، پانی میں ڈوب کر، جو دب کر"۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو یہ ان الفاظ کے ساتھ مقید ہے، "اللہ کی راہ میں"، « وَالْغَرِيقُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالْمَبْطُونُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالْمَطْعُونُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ» "جہاد میں نکلا اور ڈوب کر مر گیا تو وہ شہید ہے، جہاد میں نکلا اور دست میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گیا تو وہ بھی شہید ہے، جہاد میں نکلا اور طاعون میں مبتلا ہو کر مر گیا وہ بھی شہید ہے۔"

لہٰذا دونوں احادیث کو جوڑا جائے گا اور مطلق کو مقید کے مطابق لیا جائے گا، پس تمام لوگ شہید ہیں اگر وہ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، اور "اللہ کی راہ میں" کے الفاظ ان کی حد بندی کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر 'اللہ کی راہ میں' کے الفاظ کو مال خرچ کرنے سے جوڑا گیا ہو جیسا کہ "ينفقون في سبيل الله" یا 'اللہ کی راہ میں' کے الفاظ کا ذکر جہاد کے ساتھ کیا گیا ہو جیسا کہ "يجاهدون في سبيل الله" تو اس کا معنی ہے ایسا قتال جو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے کیا جائے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ذکر کیا گیا کہ ابو موسیٰؓ نے فرمایا: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ وہ شخص جو مال غنیمت کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص جو لڑتا ہے تا کہ اس کا رتبہ بلند ہو، تو ان میں سے کون ہے جس نے اللہ کی راہ میں لڑائی کی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا **فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ**» "وہ جو لڑتا ہے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، اللہ کی راہ میں لڑنے والا وہی شخص ہے"۔۔۔ اگر الفاظ "اللہ کی راہ میں (في سبيل الله)" کا ذکر بغیر کسی قرینہ کے کیا جائے کہ جو اس کے معنی کی تحدید کرتے ہوں تو یہ اللہ کی اطاعت اور تقرب پر دلالت کرتے ہیں۔ پس جو شخص اللہ کی اطاعت کرنے والا ہو اور اس طرح مرے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے تو وہ آخرت کا شہید (شہید آخرۃ) ہے جب کہ اللہ کی راہ میں مارا جانے والا دنیا اور آخرت دونوں کا شہید ہے۔ یعنی مبطون یا مطعون یا غرق ہونے والا۔۔ مر جائے اور اللہ کا اطاعت گزار ہو تو یہ شہداء ہیں۔ اگر وہ ان پانچ میں سے نہ ہو اور وہ اللہ کے اطاعت گزار ہو اور مر جائے تو اُس پر اِس حدیث کا اطلاق نہیں ہو گا۔

دوسری بات: جہاں تک آپ کے اس سوال کا تعلق ہے کہ کون شہید کے قرض کو ادا کرے گا تو اگر وہ اپنی موت سے پہلے اسے ادا نہیں کر پاتا، تو اس کا قرض اتارنے کی ذمہ داری اس کی ورثاء پر عائد ہوتی ہے۔ اگر ورثاء یہ قرض اتارنے کے قابل نہ ہوں تو پھر ریاست اس کا قرض ادا کرتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں بتایا گیا: »أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ، مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِأَهْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ دَيْناً أَوْ ضَيَاعاً فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ« "میں ہر مومن سے اس کی جان سے زیادہ قریب تر ہوں پس جو کوئی قرض دار مر جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہو گی اور جو کوئی مال چھوڑ کر مرے تو وہ اس کے ورثاء کا ہو گا" (مسلم)۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث جسے ابو داؤد نے روایت کیا کہ جابرؓ نے کہا: »كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لَا يُصَلِّي عَلَى رَجُلٍ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَأُتِيَ بِمَيِّتٍ فَقَالَ: أَعَلَيْهِ دَيْنٌ؟ قَالُوا: نَعَمْ دِينَارَانِ. قَالَ: صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ. فَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيُّ: هُمَا عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، فَلَمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ. فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ« "رسول اللہ ﷺ اُس شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جو اس حال میں مرتا کہ اس پر قرض ہوتا، چنانچہ آپ ﷺ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا، آپ ﷺ نے پوچھا" : کیا اس پر قرض ہے؟ "لوگوں نے کہا: ہاں، اس کے ذمہ دو دینار ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا" : تم اپنے ساتھی کی نماز پڑھ لو"، تو ابو قتادہ انصاریؓ نے کہا: میں ان کی ادائیگی کی ذمہ داری لیتا ہوں اے اللہ کے رسول!۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر جب اللہ نے

اپنے رسول ﷺ کو فتوحات اور اموالِ غنیمت سے نوازا تو آپ ﷺ نے فرمایا" : میں ہر مومن سے اس کی جان سے زیادہ قریب تر ہوں پس جو کوئی قرض دار مر جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہو گی اور جو کوئی مال چھوڑ کر مرے تو وہ اس کے ورثاء کا ہو گا۔"

میں امید کرتا ہو کہ آپ کے دونوں سوالات کا تشفی جواب دیا گیا ہے، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ بہتر جانتے ہیں اور وہی سب سے زیادہ عقل و حکمت والے ہیں۔

آپ کا بھائی

عطا بن خلیل ابو الرشتہ

29 جمادی الاول 1441 ہجری

24 جنوری 2020 عیسوی

ختم شد

سوال وجواب: بیٹی کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کرنے کے متعلق حکم

سوال:

میرا ایک سوال ہے اور مجھے امید ہے کہ میرے سوال کا جواب جلد مل جائے گا۔

کیا اس صورت میں نکاح جائز ہے کہ جب لڑکی شوہر کے بارے میں رضامند نہیں ہے؟

اگر شادی کا معاہدہ (نکاح) کیا گیا تھا لیکن ابھی تک مباشرت نہیں ہوئی ہے، تو اس مسئلے کو حل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

ایسا نہیں ہے کہ مجھے دستخط کرنے پر مجبور کیا گیا تھا، لیکن انہوں نے مجھے بتایا کہ منگیتر یا دولہا گھر کے دروازے پر ہے، اور میں نے اس سے اتفاق کیا، لیکن مجھے محسوس ہوا کہ مجھ پر دباؤ ڈالا گیا ہے اور مجھ سے بات کیے بغیر اس رشتے کو قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔

جواب:

السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ،

اس موضوع کے متعلق ہم نے کتاب، "اسلام کے معاشرتی نظام" میں نکاح کے باب میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی ہے: "عبد اللہ بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: »جاءتْ فتاةٌ إلى رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فقالتْ: إن أبي زَوَّجَني ابنَ أخيهِ لِيَرْفَعَ بي خَسيسَتَهُ. قال فَجَعَلَ الأمرَ إليها فقالتْ قد أَجَزْتُ ما صَنَعَ أبي، ولكنْ أردْتُ أن أُعْلِمَ النساءَ أنْ ليسَ إلى الآباءِ مِنَ الأمْرِ شيءٌ« ایک نوجوان لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: "میرے والد نے اپنی کم حیثیت کو

بڑھانے کے لئے میری شادی اپنے بھتیجے سے کردی۔" چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے نکاح سے انکار کا حق دیا۔ اس نے جواب دیا: "میں نے اپنے والد کے کام کو قبول کیا، لیکن میں (دیگر) خواتین کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ باپوں کو اپنی بیٹیوں کی خواہش کے خلاف، ان کو کسی کے نکاح میں دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔" (ابن ماجہؒ)

"مصباح الزجاجہ فی زوائد ابن ماجہ" کے مصنف ابو عباس شہاب الدین بوصیری کنعانی الشافعی (وفات: 840ھ) نے اس میں لکھا ہے: "عبد اللہ بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نوجوان لڑکی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا: "میرے والد نے اپنی کم حیثیت کو بڑھانے کے لئے میری شادی اپنے بھتیجے سے کر دی ہے"۔ »فَجعل الْأَمر إِلَيْهَا فَقَالَت قد أجزت مَا صنع أبي وَلَكِن أردْت أَن تعلم النِّسَاء أَنه لَيْسَ للآباء من الْأَمر شَيْء« "نبی ﷺ نے اسے نکاح سے انکار کا حق دیا۔ اس نے جواب دیا: میں اپنے والد کے عمل کو قبول کرتی ہوں، لیکن میں (دوسری) خواتین کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ باپوں کو، ان کی خواہش کے خلاف اپنی بیٹیوں کو شادی میں دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔" اور انہوں نے بیان کیا ہے کہ یہ روایت مستند ہے اور اس کے رجال قابلِ اعتبار ہیں"۔

اس کے مطابق، والد کو لازمی طور پر لڑکی کی رضامندی حاصل کرنی چاہیئے، اور نکاح خواں کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیئے، تاکہ ایجاب اور قبول کا معاملہ رضامندی اور انتخاب کے ساتھ ہو۔

ہم نے نکاح کے بارے میں مذکورہ بالا باب میں یہ واضح طور پر بیان کیا ہے، جہاں یہ لکھا ہے: "جب کسی عورت کے لیے شادی کا پیغام آتا ہے تو اسے رشتے کو قبول کرنے یا اسے مسترد کرنے کا پورا حق ہے۔ اس کے کسی بھی ولی (سرپرست) یا کسی اور کو حق نہیں ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر اس

کا نکاح کرے یا اسے شادی سے منع کرے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: »الثَّيِّبُ أحقُّ بِنَفْسِها مِنْ وَلِيِّها، والبِكْرُ تُسْتأْذنُ في نَفْسِها وإِذنُها صُماتُها«"شوہر دیدہ عورت اپنے اوپر اپنے ولی (سرپرست) سے زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری سے (نکاح کے لیے)اس کی اجازت لی جائے۔ اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:» لا تُنْكَحُ الأَيِّمُ حتى تُسْتَأْمَرَ، ولا البِكْرُ حتى تُسْتَأْذَنَ. قالوا: يا رسولَ اللهِ، وكيفَ إذْنُها؟ قال: أن تَسْكُتَ« "بیوہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ لوگوں نے پوچھا، یارسول اللہ! ہم اس کی اجازت کیسے جانیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے"۔ (متفق علیہ)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ:» أن جاريةً بكْراً أَتَتْ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَتْ أَن أَباها زَوَّجَها وهِيَ كارِهَةٌ، فَخَيَّرَها النبيُّ صلى الله عليه وسلم« ایک نوجوان لڑکی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور ذکر کیا کہ اس کے والد نے اسے اس کی خواہش کے خلاف نکاح میں دے دیا تھا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اسے اس نکاح کو رد کرنے کا اختیار دیا۔ [ابو داؤد نے روایت کیا]

خنسہ بنت خزامؓ سے روایت ہے کہ:»أن أباها زَوَّجها و هِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذلك فأَتَتْ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَرَدَّ نِكاحَها« "ان کے والد نے انہیں نکاح میں اس وقت دیا جب کہ وہ شوہر دیدہ تھیں اور انہوں نے اس شادی کو ناپسند کیا۔ لہٰذا وہ اللہ کے رسول

ﷺ کے پاس گئیں اور آپ ﷺ نے ان کی شادی کو منسوخ کر دیا۔"[بخاریؒ نے روایت کیا]
ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے نکاح کی اجازت نہیں دیتی ہے تو پھر اس کا یہ نکاح واقع نہیں ہوتا۔ اگر وہ نکاح کو مسترد کرتی ہے یا اس کی زبردستی شادی کی گئی تھی تو معاہدہ باطل ہو جاتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ نظر ثانی کرتی ہے اور اس پر راضی ہو جاتی ہے۔"

آپ اس مسئلے پر واضح عبارت دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، اور اس کو دہراتے ہیں: "ان احادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے نکاح کی اجازت نہیں دیتی ہے تو وہ نکاح واقع نہیں ہوتا ہے۔ اگر وہ نکاح کو مسترد کرتی ہے یا اس کی زبردستی شادی کی گئی تھی تو معاہدہ باطل ہو جاتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ اپنی رائے کو تبدیل کرتی ہے اور اس پر راضی ہو جاتی ہے"۔

مجھے امید ہے کہ یہ کافی ہو گا، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور وہ حکمت والا ہے۔

آپ کا بھائی،

عطا بن خلیل ابو الرَشتہ

14 جمادی الثانی 1441 ہجری

08/02/2020 CE

ختم شد

سوال کا جواب: تیل کا بحران اور اس کی محرکات

سوال:

پچھلے دِنوں تیل کی قیمتوں میں اچانک کمی خاص کر ٹکساس آئل کی قیمت میں کمی اور اس کے منفی 30 تک پہنچنے کی خبریں گردش کرتی رہیں، حتی کہ منظم لین دین کے لیے مشہور خام برنٹ کی قیمت بھی 9 فیصد کم ہو کر 25 ڈالر بیرل پر آگئی۔۔۔ جس کے کئی اسباب ہیں چاہے وہ تیل ذخیرہ کرنے والے اسٹوروں کا مکمل بھر جانا ہو یا کورونا جس کی وجہ سے اقتصادی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں اور نتیجے میں پٹرول کی طلب میں کمی آگئی۔۔۔ الخ بہر حال تیل کے اس بحران کے اسباب کیا ہیں؟ کیا یہ جاری ہے؟ یہ امریکی اور عالمی معیشت پر کیا اثرات مرتب کرے گا؟

جواب:

تیل کے بحران کی حقیقت کو عمومی طور پر اور امریکی تیل (ٹکساس آئل) کے بحران کی حقیقت کو خصوصی طور پر اور اس کے امریکی معیشت اور عالمی معیشت پر اثرات کو سمجھنے کے لیے اقصادی اور سیاسی حالات کے تین امور کو سمجھنا ضروری ہے: ٹکساس آئل پر کورونا کے اثرات، پھر برنٹ آئل پر اس کے اثرات، اس کے بعد امریکی اور عالمی معیشت پر اس کے اثرات۔

پہلا: تیل کے استعمال پر کورونا کے اثرات:

اس سال کے شروع سے ہی جب کورونا وائرس چین سے پھیلنا شروع ہوا، پھر یورپ منتقل ہوا اس کے بعد امریکہ پہنچا جس کے بعد لاک ڈاؤن کے اقدامات کا سلسلہ شروع ہوا اور بہت سے ممالک

میں معیشت کے بہت سارے شعبے رک گئے۔ اسی طرح کورونا کے پھیلاؤ کے خوف سے کئی اہم ممالک خاص کر یورپ اور امریکہ کے درمیان سفری پابندیوں کی وجہ سے فضائی ٹریفک اور زمینی نقل وحرکت بھی منجمد ہوگئی۔ طبی اور غذائی مواد کے علاوہ باقی اشیاء کی عالمی تجارت کے رکنے سے بھی اس پر بڑا اثر ہوا جس نے نقل وحرکت متاثر کیا۔۔۔ یاد رہے کہ 68 فیصد تیل فضائی اور زمینی نقل وحرکت کے لیے استعمال ہوتا ہے (انڈیپنڈنٹ عربی 24/4/2020) یوں کورونا کے سبب تیل کی بین الاقوامی طلب میں کمی آگئی، کورونا کے ایک کے بعد ایک ملک میں پھیلنے کے سبب طلب میں مزید کمی ہوتی گئی کیونکہ کورونا جس ملک میں بھی پھیل گیا اس کی معاشی سرگرمیاں متاثر ہوئی، مگر تیل کے ساتھ اس کا تعلق کچھ زیادہ ہی تھا۔ جب کورونا مغربی یورپ کے اہم ممالک میں پہنچا تو تیل کے عالمی طلب میں کمی آگئی کیونکہ یہ ممالک بہت زیادہ تیل استعمال کرتے ہیں، اور جب وبا امریکہ پہنچی اور بہت تیزی سے پھیلنے لگی تو تیل کی قیمتوں کا بحران نمایاں ہوگیا کیونکہ امریکہ ہی دنیا میں 20 فیصد تیل استعمال کرتا ہے، اس سے تیل کی بین الاقوامی طلب میں 30 فیصد کمی آگئی جو کہ روزانہ 100 ملین بیرل استعمال کرتا ہے۔ ہم طلب میں اس کمی کے حوالے سے دیے جانے والے بیانات میں سے صرف دو کا ذکر کریں گے؛

پہلا بیان: بدھ 15/4/2020 کو بین الاقوامی توانائی ایجنسی نے توقع ظاہر کی کہ اپریل سے تیل کے عالمی طلب میں یومیہ 29 ملین بیرل کی کمی متوقع ہے جو کہ گزشتہ 25 سال کی کم ترین سطح ہے۔۔۔ الوفد اخبار کے ویب سائٹ 15/4/2020)۔

دوسرا بیان: روس کے توانائی کے وزیر الیگزینڈر نواک نے اعلان کیا کہ تیل کی عالمی طلب میں 20

سے 30 ملین بیرل یومیہ کمی آئی ہے، ہم تیل کی عالمی طلب کے کم سے کم سطح پر پہنچ چکے ہیں۔(العربیہ نیٹ 22/4/2020)۔

یوں تیل کی طلب میں اس درجے کی کمی آئی جس کا تصور صرف عالمی جنگ کی حالت میں ہی کیا جاسکتا تھا! یہ سب کچھ 3 سے 4 مہینوں کے دوران ہوا یعنی کورونا بحران کے دوران یہاں تک کہ ٹکساس آئل کی قیمت منفی 37 ڈالر تک گرگئی اور یہ 20/4/2020 کی بات ہے اور اس دن کو "بلیک مَنڈے" کا نام دیا گیا۔

دوسری بات: دوسری صورت حال جو کہ سیاسی صورت حال ہے:

چونکہ تیل اسٹریٹیجک چیز ہے اس لیے ریاستیں اسے دوسری ریاستوں کو ضرب لگانے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ یہاں بات امریکی پالیسی کی ہورہی ہے جس نے سعودیہ کو ایک ہی مہینے میں روس کے ساتھ تیل کی قیمتوں کی جنگ میں دھکیل دیا، جس کی وضاحت یوں ہے:

1) امریکہ تیل کی قیمتوں کو برقرار رکھنے کے لیے روس کو تیل کی پیداوار کم رکھنے پر مجبور کرتا تھا تاکہ امریکی شیل آئل کمپنیاں مارکیٹ میں مقابلہ کر سکیں کیونکہ امریکی شیل آئل نکالنے کا خرچہ زیادہ ہے۔ اس پالیسی کے ذریعے سعودیہ تین سال سے روس کو اوپیک پلس کے مجموعے کے ضمن میں پیداوار 2.1 ملین بیرل کم کرنے پر قائل کرنے میں میں کامیاب رہا تھا۔ روس کے ساتھ سعودیہ کا یہ معاہدہ مارچ 2020 کے آخر میں ختم ہورہا تھا، یہ معاہدہ کورونا سے پہلے کا تھا اور کورونا کے وبا کے دوران اس کی مدت ختم ہورہی تھی۔

2) چین میں کورونا وبا پھیلنے کی ابتدا اور وہاں سے اٹلی منتقل ہونے کے ساتھ ہی تیل کی قیمتوں میں کمی

آنے لگی اور برنٹ فی بیرل 45 ڈالر کا ہو گیا۔ قیمت کی یہ سطح جو مزید گر رہی تھی امریکی تیل کی پیداوار کے لیے خطرناک تھی اور اسے تیل کی مارکیٹ سے باہر کر سکتا تھی، اس لیے قیمتوں کو بڑھانے کی ضرورت تھی۔ تب امریکہ سعودیہ کے ذریعے روس پر دباؤ بڑھا کر پیداوار مزید کم کرنے کے لیے متحرک ہوا تاکہ کورونا وائرس کے سبب، تیل کی عالمی طلب میں کمی کی وجہ سے، قیمتوں کو مزید گرنے سے بچایا جا سکے چنانچہ 6/3/2020 کو اوپیک پلس کا اجلاس ہوا جس میں روس نے پیداوار میں مزید کمی سے انکار کر دیا!

3) اوپیک پلس کے اس مذکورہ اجتماع کی ناکامی کے بعد اور اوپیک میں اختلافات کی خبروں سے تیل کی قیمتیں فوراً 10 فیصد گر گئیں۔

4) اس اجتماع کی ناکامی کے بعد چند دن تک سعودیہ نے روس کو پیداوار میں کمی کرنے پر مجبور کرنے کے لیے قیمتوں کی جنگ چھیڑ دی جس کے لیے اس نے پانچ اقدامات اٹھائے:

ا۔ 2.1 ملین بیرل یومیہ کمی کے معاہدے سے دستبردار ہونے کا اعلان کیا حالانکہ روس نے سابقہ معاہدے کی پابندی کی حامی بھری تھی۔

ب۔ یکم اپریل سے، جو کہ روس کے ساتھ معاہدے کے اختتام کی تاریخ تھی، پیداوار میں بے تحاشا اضافہ کر دیا، سعودی عرب نے روزانہ 12 سے 13 ملین بیرل تک پیداوار میں اضافہ کر دیا جبکہ کورونا کی وجہ سے عالمی طلب میں کمی آرہی تھی۔

ج۔ اپنے ایشیائی گاہکوں کے لیے فی بیرل تیل کی قیمت میں 6 ڈالر کی کمی کر دی جو کہ تاریخ میں اس طرح کی پہلی کٹوتی تھی۔

د۔ اس طرح کے اقدامات کے ذریعے وہ مارکیٹ میں روس کے گاہکوں کو توڑنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ھ۔ سمندر میں تیل کو ذخیرہ کرنے کے لیے دیو ہیکل جہاز کرائے پر حاصل کیا تاکہ تیل کی قیمت مزید گرے۔

5) ان اقدامات کے ذریعے، جن کا اعلان تھوڑے دن بعد 6/3/2020 کو (اوپیک پلس کے ناکام اجتماع میں) میں کیا گیا، سعودیہ نے تیل کی قیمتیں گرادیں یہاں تک کہ تیل کی ایک تہائی قیمت گر گئی۔ پیر کے دن تیل کی قیمتوں میں یہ کمی 1991ء میں خلیج کی جنگ کے دوران ہونے والی کمی کے بعد سب سے بڑی کمی ہے۔ سعودیہ کی جانب سے کورونا وبا کے دوران تیل کی عالمی طلب میں کمی کے باوجود پیداوار میں اضافے سے تیل کی سپلائی بہت بڑھ گئی! اسی وجہ سے خام برنٹ کی قیمت مقررہ معاہدوں کے لیے 22 فیصد کم ہو کر 37.05 ڈالر بیرل ہو گئی اس سے قبل 31 فیصد سے 31.02 ڈالر کی کمی ہوئی تھی جو کہ 12 فروری 2016 کے بعد سب سے زیادہ کمی ہے۔۔۔رائٹرز 9/3/2020)۔ یاد رہے کہ خام برنٹ کو شمالی سمندر میں تیل کے کنوؤں سے نکالا جاتا ہے اور خام تیل برنٹ، فورٹیز، اوزبرگ اور ایکووِسک پر مشتمل ہوتا ہے اور اسی کو دنیا کی تیل کے دو تہائی پیداوار کی قیمتوں، خاص کر یورپی اور افریقی مارکیٹ میں، تعین کے لیے بطور معیار استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ٹرانسپورٹ کے اخراجات کے بعد قیمت مناسب ہو تو اسے بعض دفعہ امریکہ اور بعض افریقی ممالک برآمد کیا جاتا ہے۔ خام برنٹ کے مقررہ معاہدوں کے لین دین کو لندن میں انٹر کانٹیننٹل اسٹاک ایکس چینج کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے، یعنی سعودیہ نے اپنے

اقدامات کے ذریعے تیل کی قیمتوں کو گرادیا اور یکم اپریل کے بعد سعودیہ کے اقدامات پر عملدرآمد شروع ہوا کیونکہ روس کے ساتھ اوپیک پلس کا معاہدہ مارچ کے آخر میں اختتام پذیر ہوا۔ مارکیٹ میں تیل کی سپلائی بڑھنے سے چوتھے مہینے اپریل میں (2020/4/20 کو) تیل کی قیمتیں 30ڈالر سے نیچے آگئیں۔

6) یہ سعودی پالیسی روس پر دباؤ ڈالنے کے لیے امریکی پالیسی تھی، مگر اس پالیسی کو تقریباً دو مہینے پہلے واشنگٹن میں تیار کیا گیا تھا یعنی کورونا وبا کے سبب تیل کی طلب میں بے تحاشا کمی سے قبل خاص کر امریکہ کے اندر، ان دونوں عوامل (سعودیہ کے ذریعے امریکی پالیسی اور تیل کی طلب میں ہوش ربا کمی سے) ٹرمپ انتظامیہ کی جانب سے روس پر تباہی کے ہتھوڑے کا وار دائیں بائیں لگنے لگا جس کی زد میں خود شیل آئل کی امریکی کمپنیاں بھی آگئیں! یعنی امریکہ نے تیل کی قیمتوں میں کمی کی جو منصوبہ بندی کی تھی اس کے مطابق اسے توقع نہیں تھی کہ قیمت اس حد تک گر جائے گی۔ کمی کی اس حد کی یہی دو وجوہات تھیں؛ امریکہ کی جانب سے سعودیہ کے ذریعے روس پر دباؤ ڈالنے کی پالیسی اور وبا کی وجہ سے تیل کی طلب میں مسلسل کمی، مگر امریکی پالیسی کو وضع کرتے وقت امریکہ کو اس قدر گراوٹ کا اندازہ نہیں تھا۔ امریکہ کے اندر شیل آئل کمپنیوں پر دباؤ بڑھتا رہا۔ 2 اپریل کو امریکی تیل کمپنی "وٹینگ پیٹرولیم" نے دیوالیہ ہونے کا اعلان کیا اور شیل آئل کی مزید سو کمپنیاں دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ گئیں کیونکہ مارکیٹ میں تیل کی قیمت تیل نکالنے کے خرچے سے بھی کم ہو گئی: (کیونکہ شیل آئل کے ایک بیرل نکالنے کا کم سے کم خرچہ 35ڈالر ہے) (عرب

مارکیٹ ویب 11/3/2020)۔

انڈیپنڈنٹ عربی 24/4/2020 کے مطابق 23/4 جمعرات کو ٹکساس آئل کے جولائی کے معاہدوں کے لیے قیمت 15 ڈالر جبکہ ستمبر کے لیے 27 ڈالر تھی اور 2020 کے آواخر کے معاہدوں کے لیے 30 ڈالرز۔ اس چیز نے شیل آئل پر دباؤ میں اضافہ کر دیا۔۔۔

7) کورونا وبا کی وجہ سے امریکی تیل کی صنعت جن مشکل حالات سے دوچار ہوئی اسی کی وجہ سے امریکی انتظامیہ تیل کی پیداوار میں کمی کے لیے سعودیہ اور روس میں مداخلت کرنے کے عزم کا اظہار کرتی رہی۔ امریکی صدر نے روسی صدر کو فون کیا اور تیل کی قیمتوں کے حوالے سے (سعودیہ نہیں) امریکہ کے ساتھ ساز باز کرنے کی دعوت دی، اسی طرح ٹرمپ نے سعودیہ سے بھی رابطہ کیا۔ ٹرمپ نے کہا کہ روسی صدر سے بہت مفید بات چیت ہوئی اور سعودی ولی عہد سے بھی شاندار گفتگو ہوئی (یورونیوز 1/4/2020)۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ نے سعودیہ اور روس کے درمیان تیل کی پیداوار میں کمی کے معاہدے کی نگرانی کی جو کہ تاریخ کا سب سے بڑا معاہدہ ہے جس کی رو سے تیل کی پیداوار یومیہ 10 ملین بیرل کم کی جائے گی۔ تیل پیدا کرنے والے ممالک کی تنظیم (اوپیک) اور ان کے اتحادی طلب میں کمی کے بعد تیل کی پیداوار میں یومیہ 10 فیصد کمی کرنے کے معاہدے پر پہنچ گئے۔۔۔ اب تک جس بات کی تصدیق ہو چکی ہے اس کے مطابق اوپیک اور اتحادی اپنی پیداوار میں یومیہ 9.7 ملین بیرل کمی کریں گے (بی بی سی 12/4/2020)۔ اس معاہدے پر 1/5/2020 سے عملدرآمد کیا جائے گا اور یہ دو مہینے کے لیے ہو گا، اس کے بعد اس پر دستخط کرنے والے ممالک تیل کی عالمی طلب کو دیکھ کر

کوئی قدم اٹھائیں گے۔ یہ مختصر مدتی معاہدہ ہے یعنی صرف دو مہینوں کے لیے جس میں جولائی کے اختتام تک تیل کی عالمی طلب میں اضافے کا انتظار کیا جارہا ہے۔ تاہم اس بات کو دیکھا جاسکتا ہے کہ تیل کی قیمتیں اس قدر زیادہ گر گئیں تھیں کہ مارکیٹ پر اس معاہدے کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا اور نہ ہی قیمتوں میں کوئی خاطر خواہ اضافہ ہوا، بلکہ برنٹ کی قیمت 30 ڈالر سے بھی نیچے گر گئی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ عالمی طلب 30 ملین بیرل یومیہ کے حساب سے کم ہوئی اس لیے پیداوار میں یومیہ 10 ملین بیرل کمی سے بھی فرق نہیں آیا!

تیسرا: تیسری صورت حال امریکی تیل ذخائر کی ہے

امریکی تیل کے ذخائر دو قسم کے ہیں، پہلی قسم ریاست کے اسٹریٹیجک اور دوسری قسم کمپنیوں کے ذخائر ہیں۔ اس صورت حال نے تیل کی قیمتوں میں کمی کے بحران کو بڑھادیا: اس کے ایک جزو کا تعلق اسٹریٹیجک ذخائر سے ہے جبکہ دوسرے کا ٹکساس آئل سے ہے۔ اس کی وضاحت کچھ یوں ہے:

1۔ تیل کے اسٹریٹیجک ذخائر (جو کہ ریاست کے ہیں) سے مراد نکالے گئے تیل کے زیر زمین ذخائر ہیں جن کو بحرانوں کے دنوں میں استعمال کرنے کے لیے محفوظ کیا گیا ہے۔ 1973 کی جنگ کے بعد عالمی توانائی ایجنسی کے مشورے پر بیشتر ممالک نے یہ ذخائر بنائے ہیں۔ اس کے علاوہ بڑے ممالک میں سے ہر ملک کے اپنے تیل کے ذخائر ہیں جو تیل کی سپلائی بند ہونے کی صورت میں 30 سے 90 دن تک ان کی ضروریات پوری کر سکیں۔۔۔

2۔ 1975 میں امریکی کانگریس نے ایک قانون منظور کیا تھا جس کی رو سے وفاقی حکومت خام تیل

کو ذخیرہ کرنے کی پابند ہے تاکہ کسی بھی ہنگامی صورت حال اور تیل کی سپلائی بند ہونے کی صورت میں اس سے استفادہ کیا جاسکے۔ امریکہ کے تیل کے ذخائر ٹکساس اور لویزیانا کے ساحلوں پر ہیں جس کی سخت حفاظت پر امریکہ بہت خرچہ اٹھاتا ہے۔ 2009 میں امریکی ذخائر کی مقدار 727 ملین بیرل تھی۔ وفاقی حکومت کے ذخائر کے علاوہ تیل کی صنعت سے وابستہ امریکی کمپنیاں بھی وفاقی حکومت کے ذخائر کے برابر تیل ذخیرہ کرتی ہیں۔ ان کمپنیوں کے یہ ذخائر بھی ٹکساس میں ہیں کیونکہ ایک عرصے سے یہ امریکہ کی سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والی اسٹیٹ ہے جس کو "خام ٹکساس" کہا جاتا ہے اس طرح ہمسائیہ اسٹیٹ اوکلاہوما میں جہاں سے ٹکساس آئل کو خشکی کے ذریعے امریکہ کے آخر تک پہنچایا جاتا ہے۔۔۔

3۔6 مارچ 2020ء کو تیل کی قیمتوں میں کمی اور روس اور سعودیہ کے درمیان قیمتوں کی جنگ چھڑنے پر کئی ممالک بشمول امریکہ اور چین اپنے ذخائر بھرنے لگے۔ ٹرمپ نے اس وقت تیل کی قیمتوں میں کمی پر خوشی کا اظہار کیا۔۔۔ امریکہ نے سعودیہ وغیرہ سے سستے تیل کی خریداری جاری رکھی۔ بلیک منڈے سے پہلے ٹکساس کے ذخائر اگر مکمل نہیں تو کسی حد تک بھر چکے تھے۔ تیل کو ذخیرہ کرنا مسئلہ بن گیا کیونکہ طلب نہ ہونے کی وجہ سے ٹکساس میں تیل پیدا کرنے والوں کی سپلائی کو بند کرنا پڑی۔

4۔یوں امریکہ کے تیل کے اسٹریٹیجک ذخائر بڑی حد تک بھر گئے اور تیل بردار جہاز ٹکساس آئل لے کر اوکلاہوما کے علاقے کاشینگ کے اسٹوروں تک قطار در قطار کھڑے ہو گئے جہاں ان

سے تیل وصول کیا جاتا ہے۔ یوں اوکلاہوما میں خام تیل کے ذخائر بڑھ گئے اور طلب میں کمی کی وجہ سے آئل ریفائنریز کا کام بھی سست روی کا شکار تھا (الجزیرہ نیٹ 20/4/2020)۔ کاشنگ میں تیل ذخیرہ کرنے کی زیادہ سے زیادہ گنجائش 76 ملین بیرل ہے۔ عام طور پر جن کے ساتھ معاہدے ہوئے ہوں وہ کاشنگ میں تیل وصول کرتے ہیں۔ جب ان کو وصول کرنے کا وقت ہو جائے اور وہ خشکی سے اس کو امریکہ کے اندرونی علاقوں میں پہنچا کر کم خرچ پر ذخیرہ کرتے ہیں، مگر ہوا یہ کہ ،اوکلاہوما خاص کر کاشنگ کے علاقے میں جہاں ٹکسا آئل ذخیرہ کیا جاتا ہے، اسٹور بھر گئے بلکہ تیل 5 ملین بیرل زیادہ ہو گیا جبکہ لاک ڈاؤن کی وجہ سے امریکہ میں تیل کے استعمال میں 25 فیصد کمی آئی (رائ الیوم 25/4/2020)۔ اس لیے یہ کہنا ممکن ہے کہ تیل کے یومیہ عالمی طلب میں 30 فیصد تک کمی یعنی 30 ملین بیرل کی یومیہ کمی اس کی قیمتوں میں کمی کا پہلا سبب ہے۔ امریکہ کی جانب سے سعودیہ کے ذریعے روس پر دباؤ کی پالیسی معمول اور عمومی حالت کے لیے تھی، یہ بحران کے وقت کے لیے نہیں تھی، اسی لیے اس کے نتیجے میں قیمتوں کے گرنے کا یہ بحران پیدا ہوا!

5) اس سب نے ٹکساس آئل پر اثر ڈالا، اوکلاہوما میں اس کے اسٹور بھر گئے، کم خرچے پر مزید اسٹور کرنے کی گنجائش نہیں رہی اس لیے ان معاہدوں سے کسی بھی قیمت پر جان چھڑانا ضروری ہو گیا، یہی ٹکساس آئل بحران یا "بلیک منڈے" تھا جو کہ 20/4/2020 کو رونما ہوا جبکہ تیل کو منفی 37 ڈالر فی بیرل فروخت کیا گیا اور امریکی اسٹاک ایکسچینج میں سرمایہ کاری کرنے والوں کو بڑے خسارے کا سامنا ہوا۔۔۔ جس کی وجہ سے صورت حال اس طرح گھمبیر ہو گئی جس کا ہم نے

ذکر کیا ہے، یعنی کاشینگ کے اسٹورز بھر گئے، جب بھی اسٹاک بھرنے کے قریب ہوتے ہیں، جو کہ بہت ہی کم ہوتا ہے، ذخیرہ کرنے کے اخراجات بہت بڑھ جاتے ہیں چونکہ معیشت کے بند ہونے کی وجہ سے تیل کے استعمال کی صورت حال بدستور مشکوک تھی اس لیے کاشینگ میں تیل ذخیرہ کرنے کے اخراجات بہت بڑھ گئے یعنی یہ دوسرا عامل تھا جس نے مئی/ جون کے لیے کیے گئے سودوں کو نمٹانے کے لیے دباؤ بڑھا دیا اس لیے ان کے معاہدوں کے لیے قیمت 10 ڈالر پر آگئی پھر 5 ڈالر پر، اور پھر ڈرامائی طور پر منفی صفر پر پہنچ گئی، اس کے بعد منفی 37.6 تک پہنچی۔ اس طرح اس سے وابستہ لوگ اور اسٹاک ایکسچینج میں سرمایہ کاری کرنے والوں نے نقصان اٹھایا ٹکساس آئل کے بلیک منڈے کا بحران 20/4/2020 کو اس طرح رونما ہوا، صورت حال کا اس طرح گھمبیر ہونا اس بڑے بحران کا سبب بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ٹکساس آئل بحران کی وجہ سے سعودیہ اور روس کے درمیان اوپیک پلس معاہدہ پر خوش منانا ٹرمپ کو راس نہ آئی جب اس نے 12/4/2020 کو کہا تھا کہ "اس سے امریکہ میں توانائی کے شعبے میں ہزاروں نوکریاں پیدا ہوں گی، میں روسی صدر پوٹین اور سعودی بادشاہ سلمان بن عبد العزیز کا شکریہ ادا کرتا ہو" (سی این این عربی 21/4/2020)۔ ٹرمپ کی خوش فہمی حقیقت سے کوسوں دور تھی اور تیل کی قیمتوں میں اس طریقے سے کمی نے نہ صرف امریکہ کو خوفزدہ کیا بلکہ پوری دنیا ششدر رہ گئی، اس سے اقتصادی بحران نے شدت اختیار کی، توانائی کا شعبہ تو آتش فشاں کی طرح پھٹ گیا!

یاد رہے کہ خام مغربی ٹکساس متوسط West Texas Intermediate کو امریکہ کے تیل کے کنوؤں سے نکالا جاتا ہے، خاص طور پر ٹکساس، لویزیانا اور شمالی ڈاکوٹا کے تیل کے کنوؤں

سے، پھر اس کو حوالہ کرنے کے لیے پائپ لائن کے ذریعے اوکلاہوما میں کوشینگ پہنچایا جاتا ہے، اور مغربی ٹکساس متوسط West Texas Intermediate کا لین دین نیویارک اسٹاک ایکسچینج کے ذریعے کیا جاتا ہے جو کہ شکاگو کی تجارتی انڈیکس کی ملکیت ہے۔

6) دوسری طرف امریکہ نے کورونا بحران کے شروع میں امداد اور پیکج دینے کے منصوبوں پر اعتماد کیا جو کہ درجہ بدرجہ تھا۔ پہلا قدم چھوٹا تھا جو کہ 8.3 ارب ڈالر کا تھا جس کو کورونا وبا کو پھیلنے سے روکنے کے لیے صحت کے شعبوں پر خرچ کرنا تھا، اس کے بعد جب وبا نے صحت کے شعبے سے ہٹ کر معیشت پر ضرب لگائی تو امریکہ نے شرح سود کو کم کر کے تقریباً صفر تک پہنچایا اور 700 ارب ڈالر کے پیکج کا اعلان کیا، جس کا مقصد معیشت کو کورونا کے اثرات سے بچانا تھا(بی بی سی 16/3/2020)۔یوں مارکیٹ کے بہاؤ کو جاری رکھنے کی کوشش میں اس کو افراط زر میں ڈبو دیا ۔اس کے بعد 27/3/2020 کو 2.2 ٹریلین ڈالرز کے stimulus پیکج کا اعلان کیا جو کہ امریکی تاریخ کا سب سے بڑا پیکج ہے، جس میں سے بیشتر ان کمپنیوں کے قرضوں کو خریدنے کے لیے تھا جو دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ گئی تھیں۔ اس دوران فیڈرل ریزرو بینک نے پہلے ہی اعلان کیا تھا کہ وہ 500 ارب ڈالر سے زیادہ کے ریزرو بانڈ خریدے گا اور 200 ارب سے زیادہ پر اپنی مالیاتی رسید خریدے گا۔ اسی طرح امریکی مرکزی بینک نے اعلان کیا کہ وہ 300 ارب ڈالر سے کمپنیوں اور کاروباری صارفین کے کام کی انشورنس کے لیے فنڈنگ کا پروگرام بنا رہا ہے(ٹریڈرز ایپ 24/3/2020)۔ اس کے علاوہ کورونا سے متاثرین کی صحت پر اٹھنے والے اخراجات تباہ کن ہونے کا امکان ہے جس سے کئی انشورنس کمپنیاں دیوالیہ ہو سکتی ہیں، جو کہ بہت بڑی کمپنیاں ہیں۔

ساتھ ہی امریکہ کو سخت بے روزگاری کا سامنا ہے، کورونا کی وجہ سے تقریباً 30 ملین امریکی بے روزگار ہو چکے ہیں۔ جو کمپنیاں ان لوگوں کو روزگار دے رہی تھیں ان کی مالی حالت بہت خراب ہے اس لیے ان کو جلد دوبارہ اسی سال روزگار دیئے جانے کا امکان نہیں ہے۔ اس قدر بڑی تعداد میں بے روزگاروں کو الاؤنس دینا سرکاری خزانے پر بڑا بوجھ ہو گا۔ اب تک 22 ملین لوگوں نے بے روزگاری الاؤنس کے لیے اندراج کیا ہے اور ابھی سلسلہ جاری ہے۔ اگر امریکہ اس بحران سے نکلنے کی اسی طرح کوشش جاری رکھتا ہے تو اس کی کرنسی کی ویلیو میں زبردست کمی آئے گی جو خود امریکہ اور ان ممالک کے لیے وبال ہو گا جو ڈالر میں لین دین کرتے ہیں۔

چوتھا: اس بحران نے صرف امریکہ کو نہیں کئی اور ممالک کو بھی متاثر مگر امریکہ کو زیادہ متاثر کیا:

1۔ یورپ کا حال بھی اپنے ہم مشرب امریکہ سے بہتر نہیں۔ کورونا کے محرکات نے اقتصادی بنیادوں کے ساتھ اس کی سیاسی بنیادوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ ہم اٹلی، فرانس، جرمنی اور برطانیہ میں اس وبا کے بحران کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ فرانسیسی صدر میکرون نے 26/3/2020 کو ویڈیو لنک پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ "کورونا کے پھیلاؤ نے اتحاد کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی۔۔۔" انہوں نے مزید کہا کہ "یورپی پروجیکٹ خطرے سے دوچار ہے۔۔۔ ہمیں شنگن کے علاقے کے ختم ہونے کے خطرے کا سامنا ہے"۔ (رشیا ٹوڈے 26/4/2020)۔ جرمن چانسلر مرکل نے کہا "میری نظر میں یورپی یونین اپنے وجود میں آنے کے بعد سب سے سخت آزمائش سے دوچار ہے۔۔۔ اہم بات یہ ہے کہ یونین کورونا کے سبب پیدا ہونے والے معاشی بحران سے مضبوطی سے نمٹے" (رائٹرز 7/4/2020)۔ اور اسپین کے وزیر اعظم بیڈرو سانچیز نے 5/4/2020 کو کہا"

موجودہ صورت حال کی کوئی مثال نہیں، یہ ٹھوس موقف کا تقاضا کرتا ہے، ہم آج مل کر اس سے نمٹ لیں گے یا بطور اتحاد ناکام ہوجائیں گے۔۔۔"(فرانکفورٹ ر غمانیہ جرمنی 23/4/2020)۔ 23/4/2020 کو یورپی قیادت نے ویڈیو لنک اجتماع میں اس بحران سے نکلنے کے لیے 500 ارب یورو کے پیکج کا اعلان کیا مگر انہوں نے، اس کی تفصیلات کو جس کے حوالے سے اختلافات ہیں، موسم گرما تک موخر کر دیا۔۔ انہوں امدادی فنڈنگ پر بحث کی اور مشترکہ کورونا بانڈ جاری کرنے پر بات کی۔ مگر جرمنی، ہالینڈ، آسٹریا اور فن لینڈ نے اسے مسترد کر دیا اور امدادی فنڈ کو بھی مسترد کر دیا جبکہ فرانس، اٹلی اور اسپین نے اس منصوبے کی حمایت کی کیونکہ زیادہ متاثر یہی ممالک ہیں۔ جرمنی کی طرف سے اسے مسترد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے نام سے قرضے دے کر ان ممالک کو اپنا مقروض بنانا چاہتا ہے تاکہ وہ یورپ کے دوسری ممالک پر حاوی ہو جائے۔۔۔!

2۔ جہاں تک چین کا تعلق ہے تو عالمی بینک نے خبر دار کیا کہ 2019 کے 6.1 کے مقابلے میں چین کی شرح نمو 2020 میں کم ہو کر 2.3 ہو جائے گی (امریکی اخبار الحرۃ 10/4/2020)۔ اخبارات نے چین کے مرکزی بینک کے سربراہ کے حوالے سے خبر دی کہ: "وہ چینی حکومت کو مشورہ دے گا کہ بڑے شکوک وشبہات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس سال کے لیے شرح نمو کا تعین نہ کیا جائے۔" اور سرکاری اخبار اکانومسٹ ڈیلی نے "ماجون" چینی نیشنل بینک کے کیش کے شعبے کے عہدہ دار کے حوالے سے خبر دی کہ "6 فیصد نمو کا حصول بہت مشکل ہے" مزید کہا کہ "ہدف کا تعین کورونا کے حوالے سے نمٹنے کے حکومتی اقدامات سے مشروط ہے"

3۔ رہی بات روس کی تو اس کا 60 فیصد دارومدار تیل اور گیس کے بر آمدات پر ہے۔ تیل کو روسی

معیشت میں شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے، اس لیے وہ اب اپنے خسارے کا حساب لگا رہا ہے جبکہ روسی کرنسی روبل بد ترین صورت حال سے دوچار ہے۔ تیل کے بحران کے بعد ایک ڈالر 79 روبل کے مساوی ہو گیا ہے۔ رائٹرز نیوز ایجنسی نے صورتِ حال پر بات کرتے ہوئے ایک روسی بینک کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ کہ " اگر بیرل تیل کی قیمت 10 ڈالر سے گر گئی تو جی ڈی پی سکڑ کر 15 فیصد کم ہو جائے گا"۔

ساتواں: سرمایہ داریت کی کجی بالکل واضح ہو گئی ہے، کورونا سے نمٹنے میں اس کی ناکامی نمایاں ہو گئی ہے، ریاستوں کے درمیان انانیت اس قدر واضح ہو گئی کہ وہ دھڑام سے زمین پر آن پہنچیں، اب صرف اس صحیح اسلامی آئیڈیالوجی کے علاوہ کچھ باقی نہیں، اب دوبارہ اسلام کو لے کر دنیا کی قیادت کرنے کا سنہری موقع ہے۔۔۔ مگر عالم اسلام کے حکمران اور اس نظام کے کرتے دھرتے امت کے متحرک ہونے کے سامنے رکاوٹ ہیں۔ یہ حکمران بڑے استعماری ممالک کے دامن تھامے رہنے پر مُصر ہیں، امت کو ایسی مخلص اور سچی قیادت کی ضرورت ہے جو اسلام کے ذریعے اس کی قیادت کرے، اور بلاشبہ امت یہ جانتی ہے کہ حزب التحریر ہی وہ قائد ہے جو اپنوں سے جھوٹ نہیں بولتی، اس لیے امت کو صدق دل سے اس کے ساتھ مل کر جدوجہد کرنی چاہیے﴿**وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ**﴾"**اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا یقیناً اللہ قوی اور برتر ہے**"(الحج، 22:40)۔ اے بھائیو، حالات بتا رہے ہیں کہ کورونا کے بعد کی دنیا کی صورت حال کورونا سے پہلے والی صورت حال سے مختلف ہے، جو ممالک اپنے آپ کو دنیا کے معبود سمجھتے تھے اور اللہ کی جانب سے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیے گئے قوانین کی بجائے دنیا کے لیے قوانین بناتے تھے، حق کو باطل باطل کو حق قرار دیتے

تھے یہ ممالک اللہ کی ایک چھوٹی سے مخلوق کے سامنے بے بس اور عاجز ہو گئے جو آنکھ سے نظر بھی نہیں آتی، یہ اس سے نمٹ نہ سکے نہ اس کا علاج کر سکے۔۔۔ یہ اس وقت تک تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس قول کا کوڑا ان پر نہ برسا دیں، ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً﴾ **"کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل تو ہے ہی مٹنے کے لیے"**(الاسراء، 17:81)۔ دوبارہ خلافت کی صبح طلوع ہو گی اور چار دانگ عالم کو اپنے نور سے روشن کرے گی، ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيباً﴾ **"کہتے ہیں کہ یہ کب ہو گا کہہ دو شاید یہ قریب ہے"**(الاسراء، 17:51)۔

چھ رمضان 1441 ہجری

بمطابق 29/4/2020.

ختم شد

اِس کرپٹ نظام کو اکھاڑ پھینکو جو سودی سرمایہ داروں کو سودی قسطوں کی ادائیگیوں کی خاطر ہمارا خون نچوڑ رہا ہے

12 جون 2020 کو بجٹ ایک ایسے وقت میں پیش کیا گیا کہ جب ہم اپنے بیماروں کی دیکھ بھال کرنے، اپنے گھر والوں کا پیٹ بھرنے اور بچوں کو تعلیم دلوانے کے لیے تگ و دو کر رہے ہیں، اور اس بجٹ نے یہ ثابت کر دیا کہ موجودہ نظام نہ صرف ہمارے امور سے سنگین غفلت برت رہا ہے بلکہ اس بات کو بھی یقینی بنا رہا ہے کہ سودی قرضوں کی معیشت جونکوں کی مانند ہمارا خون چوس کر ہمیں ہلاکت تک پہنچا دے۔ اگرچہ بجٹ کا کل حجم محض 7000 ارب روپے کے لگ بھگ ہے لیکن اس میں بھی تقریباً 3000 ارب روپے سود کی ادائیگیوں کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔ اگرچہ پچھلے سال کمر توڑ ٹیکسوں کا نفاذ کر کے 4000 ارب روپے کا ٹیکس اکٹھا کیا گیا مگر اِس سال اِن سود کی ادائیگیوں کو یقینی بنانے کے لئے ٹیکس ہدف کو مزید بڑھا کر 5000 ارب کر دیا گیا ہے اور یہ آئی ایم ایف کے مطالبے کے عین مطابق ہے۔ جبکہ مستقبل قریب کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے باجوہ-عمران حکومت دونوں ہاتھوں سے اندرونی و بیرونی قرضے لے رہی ہے اور دوسری طرف آئی ایم ایف نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ 2024-25 تک ٹیکس آمدن کو 10,000 ارب تک بڑھایا جائے۔

موجودہ سودی سرمایہ دارانہ نظام ایک منظم طریقے سے ہمیں قرض کی دلدل میں دھکیلتا جا رہا ہے، اور یہ عمل مسلسل جاری ہے خواہ اقتدار کسی بھی پارٹی یا ڈکٹیٹر کے ہاتھ میں ہو۔ 1971ء میں پاکستان کا اندرونی قرض 14 ارب روپے تھا جبکہ بیرونی قرض 16 ارب روپے تھا۔ 1991

ءمیں اندرونی قرض بڑھ کر 448ارب روپے جبکہ بیرونی قرض 377 ارب روپے ہو گیا۔ پھر 2011ءمیں اندرونی قرض تقریباً6000ارب روپے جبکہ بیرونی قرض4750ارب روپے ہو گیا ۔ اورآج 2020ءمیں اندرونی قرض بڑھ کر 22500 ارب روپے جبکہ بیرونی قرض 12700 ارب روپے ہو چکاہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی یہ سودی سرمایہ دارانہ نظام نافذ ہوا، وہاں کی اقوام قرض کے جال میں پھنس گئیں، چاہے مشرق میں سری لنکا ہو جس نے آئی ایم ایف کے شدید دباؤ پر یہ اعلان کیا کہ وہ دیوالیہ نہیں ہو گا، یا مغرب میں ارجنٹینا ہو جس نے2000ءکے بعد دوسری بار دیوالیہ ہونے کا اعلان کر دیا۔

جہاں تک اُن کا تعلق ہے جو اس سودی سرمایہ دارانہ نظام کے تحت حکمرانی سنبھالتے ہیں، تو وہ اپنے اقتدار کو یقینی بنانے کے لیے ہمیں دھوکا دیتے ہیں۔ لہٰذا ہر حکومت پچھلی حکومت پر الزام لگاتی ہے ، اس کی مذمت کرتی ہے اور آنے والے دنوں میں مشکلات کے خاتمے کی جھوٹی نوید سناتی ہے اور اس دوران سودی سرمایہ داروں کے لیے نئے نئے مواقع پیدا کرتی ہے تاکہ وہ ہمیں مزید لوٹ سکیں۔ پچھلے سال آئی ایم ایف کے مطالبے کو پورا کرتے ہوئے باجوہ-عمران حکومت نے اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے ذریعے شرح سود کو بڑھاتے بڑھاتے جولائی 2019 ءمیں 13.25 فیصد تک پہنچا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومتی قرضوں پر شرح سود بھی بڑھ کر 13.66 فیصد پر پہنچ گئی جو کہ اُس وقت پوری دنیا میں بلند ترین شرح سود تھی۔ اِس سال آئی ایم ایف کے ایک اور مطالبے کو پورا کرتے ہوئے باجوہ-عمران حکومت نے قرض کو پاکستان کی اسٹاک مارکیٹ کے ساتھ منتھی کر دیا تاکہ ہمارے مفادات کو قربان کرتے ہوئے معیشت کو مزید لوٹا جاسکے۔20 مئی2020 کو عمران خان نے فخر سے ایک "نئی مالیاتی جدت "کا اعلان کیا جس کی بنا

پر حکومت نے 200 ارب روپے مالیت کے سودی بانڈز پاکستان اسٹاک ایکسچینج (PSX) میں جاری کیے۔

اے پاکستان کے مسلمانو! ایک طرف تو یہ دعوٰی کیا جاتا ہے کہ ضرورت مند افراد پر خرچ کرنے، فالج زدہ معیشت کو بحال کرنے، ہمارے بچوں کو تعلیم دینے، ہمارے بیماروں کو طبی سہولیات کی فراہمی اور مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے کے لیے اللہ کی راہ میں جہاد کے آغاز کے لیے خاطر خواہ فنڈز نہیں ہیں، لیکن دوسری جانب باجوہ-عمران حکومت سودی ادائیگیوں پر کھل کر خرچ کرتی ہے جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ یقیناً جب تک سودی سرمایہ دارانہ نظام برقرار ہے ہمارے لیے کوئی راحت، آسانی، اور بچاؤ نہیں ہے۔ لازم ہے کہ اس نظام کو ختم کر کے اسلام کے نظامِ حکمرانی، خلافت، کو بحال کیا جائے۔

یہ نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافت ہی ہو گی جو ہمیں نہ ختم ہونے والے سودی قرضوں کی دلدل سے نکالے گی۔ خلافت قرضوں پر کوئی سود ادا نہیں کرے گی کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے، **يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○ "مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ اللہ اور رسولؐ سے جنگ کرنے کے لئے اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تمہیں اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان** "(البقرۃ، 279-278)۔ جہاں تک بغیر سود کی ادائیگی کے قرض کی اصل رقم واپس کرنے کی بات ہے، تو خلافت قرض کی اصل رقم کی ادائیگی کی ذمہ داری

اُن تمام حکمرانوں اور حکومتی عہدیداروں پر ڈالے گی، جن کے دور میں قرضے لیے گئے۔ ایسا اس لیے ہے کہ اِن حکمرانوں کے اس اقدام کی وجہ سے امت نے نقصان اٹھایا اور اس کے ساتھ ساتھ ان حکمرانوں نے امت کے امور کی دیکھ بھال کے لئے دئے گئے عہدوں کا ناجائز استعمال کیا اور اِن قرضوں سے ذاتی فائدہ اٹھایا اور وہ اس عرصے میں بے تحاشا دولت مند ہو گئے۔ اور اس کا اطلاق موجودہ اور سابقہ حکومتوں کے سیاسی اور فوجی دونوں حکمرانوں پر ہوتا ہے۔ لہٰذا خلافت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ حکمرانوں کی وہ تمام دولت جو ان کی عمومی ضرورت سے زائد ہے، قرضوں کو اس کے ذریعے ادا کیا جائے، اور یہ ان کے اثاثوں کے حجم کے تناسب سے ہو گا۔

سودی سرمایہ دارانہ جال سے مکمل طور پر نکل جانے کے بعد خلافت اس بات کے لیے آزاد ہو گی کہ وہ اپنی پوری توجہ اُن فرائض کی ادائیگی پر مرکوز کر سکے جو ہمارے عظیم دینِ اسلام نے عائد کیے ہیں۔ پس خلافت زراعت، تجارت اور صنعت کے شعبے میں قرآن و سنت پر مبنی ٹھوس معاشی پالیسیاں نافذ کرے گی، اور اس طرح خلافت ایک معاشی سپر پاور بننے کی راہ پر گامزن ہو سکے گی جیسا کہ ماضی میں وہ صدیوں تک دنیا کا معاشی انجن بنی رہی۔

جہاں تک لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کے لیے درکار وسائل کا تعلق ہے تو خلافت وہ محاصل جمع کرے گی جن کی ادائیگی ہم پر فرض ہے۔ خلافت مویشیوں، فصلوں، پھلوں، کرنسی اور ہر طرح کے تجارتی مال پر زکوۃ جمع کرے گی، زرعی زمین سے خراج اور عشر وصول کرے گی، مالی لحاظ سے مستحکم غیر مسلم بالغ مردوں سے جزیہ وصول کرے گی اور جہاد کے دوران حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کو بھی بیت المال میں جمع کرے گی۔ اس کے علاوہ خلافت عوامی اثاثوں جیسا کہ

تیل، گیس، بجلی اور معدنیات سے حاصل ہونے والی کثیر دولت کی نگرانی کرے گی کیونکہ اسلام نے ان اثاثوں کی نجی ملکیت کی اجازت نہیں دی ہے۔ خلافت عوامی اثاثوں سے متعلقہ صنعتوں سے حاصل ہونے والے نفع کو بیت المال میں جمع کرے گی اور اسی طرح اُن صنعتوں اور فیکٹریوں سے حاصل ہونے والے نفع کو بھی جن کے قیام کے لیے بھاری سرمایے کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ ٹیلی کمیونیکیشن، ہیوی میکینیکل اور ہیوی الیکٹریکل صنعتیں، بحری جہازوں اور ہوائی جہازوں کی پیداواری صنعت، الیکٹرانک آلات وغیرہ۔

محاصل کے ان وسیع ذرائع کی موجودگی کے باوجود اگر ریاست کو مزید وسائل کی ضرورت پڑ جائے تو خلافت ہماری اضافی دولت پر وقتی ٹیکس عائد کرے گی جو ہمارے معیارِ زندگی کے مطابق بنیادی ضروریات اور آسائشوں کو پورا کرنے کے بعد ہمارے پاس بچ رہی ہو۔ خلافت اُن لوگوں سے کچھ نہیں لے گی جن کے پاس زائد دولت نہیں جیسا کہ غربت میں مبتلا لوگ اور مقروض وغیرہ۔

اے مسلمانانِ پاکستان، بالخصوص اے افواجِ پاکستان! بہت برداشت کر لیا اِن حکمرانوں کو، جو استعماری طاقتوں کے لیے کرائے کے سہولت کار کا کردار ادا کر رہے ہیں، جنہوں نے ہمیں کمزور بنا رکھا ہے اور ہمارا ہاتھ روک رکھا ہے، جبکہ دشمن کو ہمارے خلاف کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ اور بہت برداشت کر لیا اِس نظام کو، جو کرپٹ حکمرانوں اور ان کے بیرونی آقاؤں کی دولت میں بے تحاشا اضافہ کرتا ہے اور ہمیں غریب سے غریب تر کرتا ہے جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمارے قدموں تلے بے پناہ وسائل عطا کر رکھے ہیں۔ وقت آن پہنچا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کے ذریعے حکمرانی کی بحالی کی جدوجہد کرے۔ اللہ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضی کو دُور کرے گی اور اسی کے ذریعے آخرت کا عظیم اجر ہمارا مقدر بنے گا۔ لہٰذا حزب التحریر کی جدوجہد کا حصہ بنیں اور ہر جگہ اور ہر لمحہ خلافت کے قیام کی پکار کو بلند کریں۔ اور ہمارے جو بھائی، بیٹے، رشتہ دار افواج میں موجود ہیں انہیں چاہیے کہ وہ حزب التحریر کو نُصرۃ فراہم کریں تاکہ فوری اور حتمی طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی کا سلسلہ بحال ہوسکے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ

"مومنو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم قبول کرو جب کہ وہ تمہیں ایسے کام کی طرف بلاتے ہیں جس میں تمہارے لیے زندگی ہے"

(الانفال، 8:24)

حزب التحریر ولایہ پاکستان

24 شوال 1441 ہجری

15 جون 2020ء

ختم شد

کیوں پی ٹی آئی کا بجٹ ناکامی کا شکار ہو
گا اور اسلام کس طرح منفرد طریقے
سے معیشت کے امور کو منظم کرتا ہے۔
- پی ٹی آئی کے بجٹ میں بنیادی طور پر کیا خرابی ہے؟
- اسلام کس نظر سے معیشت کے امور کو دیکھتا ہے؟
- اسلام بجٹ کو کس طرح سے منظم کرتا ہے، اس کا مختصر خاکہ
اتوار
21 جون
رات 10 بجے
مزید جاننا چاہتے ہیں؟
تو اس اتوار 21 جون 2020
کو رات 10 بجے مندرجہ ذیل لنک کو کلک کریں۔
https://youtu.be/qT9fZmgn3A0
#RejectCapitalismEstablishKhilafah

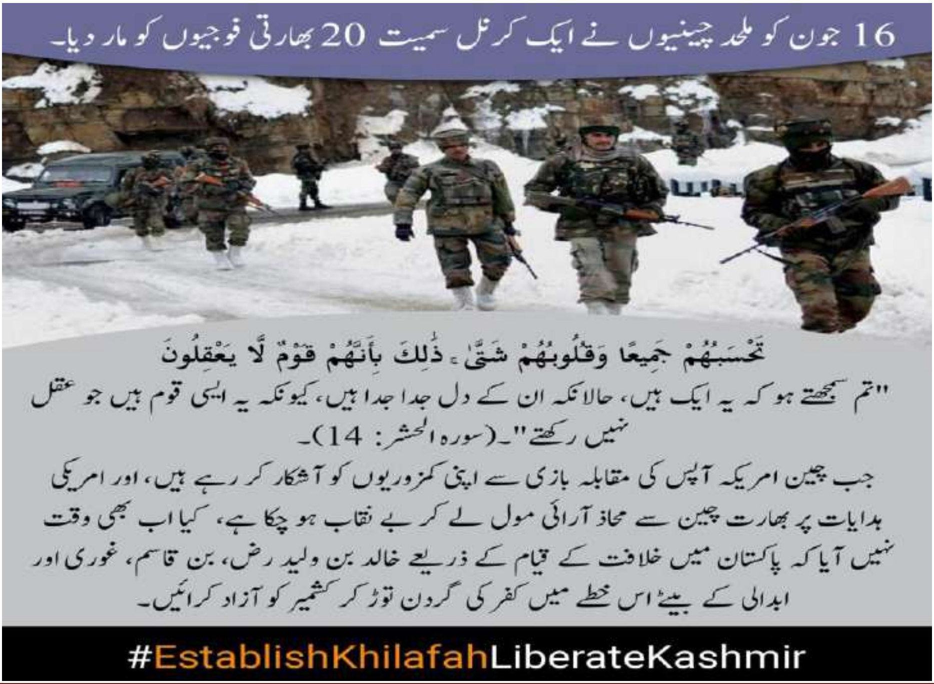
16 جون کو ملحد چینیوں نے ایک کرنل سمیت 20 بھارتی فوجیوں کو مار دیا۔
تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ
"تم سمجھتے ہو کہ یہ ایک ہیں، حالانکہ ان کے دل جدا جدا ہیں، کیونکہ یہ ایسی قوم ہیں جو عقل نہیں رکھتے"۔(سورہ الحشر: 14)۔
جب چین امریکہ آپس کی مقابلہ بازی سے اپنی کمزوریوں کو آشکار کر رہے ہیں، اور امریکی ہدایات پر بھارت چین سے محاذ آرائی مول لے کر بے نقاب ہو چکا ہے، کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ پاکستان میں خلافت کے قیام کے ذریعے خالد بن ولید رض، بن قاسم، غوری اور ابدالی کے بیٹے اس خطے میں کفر کی گردن توڑ کر کشمیر کو آزاد کرائیں۔
#EstablishKhilafahLiberateKashmir

نصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا، جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امتِ کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امتِ مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت وجہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ ﷺ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے ان کی حمایت ونصرت طلب کریں۔ پس آپ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس وخزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نُصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی، بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفہ راشد کو قرآن وسنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کو پورا کر دیں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ**" پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)